ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
اتوار ۱۲ شوال المکرم ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۱-اپریل ۲۰۲۴ء

بچوں کا اسلام

1131
پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

وقت کی پکار

قدر

نوسو سال تک!

قیمت: ۴۰ روپے

القرآن

جب کوئی سلام کرے!

جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو سلام کر کے داخل ہو، خدا کی طرف سے مقرر کردہ دعا کے طور پر یہ عمل بابرکت بھی ہے اور عمدہ بات بھی۔ (سورۂ نور: آیت 61)

جب کوئی تم کو اسلامی طریقہ پر سلام کرے تو تم عمدہ اضافہ کے ساتھ اسے سلام کا جواب دو۔ یا ویسے ہی کلمات میں ان کو جواب لوٹا دو۔

(سورۂ نساء: آیت 86)

الحدیث

پسندیدہ عمل

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کا بہترین عمل کون سا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بھوکوں کو کھانا کھلانا اور واقف و ناواقف ہر ایک کو سلام کرنا۔''

(بخاری و مسلم)

دستک

ایک حسین اتفاق اور سیکھنے کی ایک بات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آج تیئیسویں روزے کو ایک عجیب اتفاق ہوا۔

بلکہ ایسے خوشگوار اتفاقات تو ہماری زندگی میں ہوتے ہی رہتے ہیں جو بہت زیادہ حیران کن ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ کبھی انھیں اکٹھا کیا جائے کہ دلچسپ تو ہیں ہی، اکثر ایمان افروز بھی ہیں۔

ہوا یوں کہ آج بچوں کا اسلام کی ایک کہانی ایڈٹ کر رہے تھے تو شجر کاری کے ضمن میں ایک مشہور حدیث مبارکہ سامنے آگئی۔

یہ بچوں کا اسلام کے ایک نئے اور بہت اچھے لکھاری اواب شاکر بھائی کی کہانی ''شجر کاری'' تھی۔

خیر؛ رمضان میں چونکہ افطار سے قبل بچوں کے ساتھ تعلیم، جہری ذکر اور دعا کا معمول ہوتا ہے تو عزم کیا کہ آج تعلیم میں یہ حدیث مبارکہ سنا کر بچوں کو ایک بات سکھائیں گے۔

لیکن آج گھر پہنچتے پہنچتے تاخیر ہوگئی۔

بیٹے احمد سدیس نے اسی وقت تعلیم شروع کی تھی۔ بچیاں سن رہی تھیں۔

افسوس سا ہوا کہ آج وہ حدیث رہ گئی۔

خیر بیٹے نے درود شریف پڑھ کر کتاب درمیان میں سے کھولی اور جو حدیث مبارکہ سامنے آئی وہ پڑھنے لگا۔

اور جناب! نہایت خوشگوار حیرت نے ہمیں سرتاپا ڈھانپ لیا۔

جی ہاں!

یہ وہی حدیث تھی جو ہم آج کتاب میں درج سیکڑوں احادیث میں ڈھونڈ کر پڑھنا چاہ رہے تھے۔

بلکہ خیال تھا کہ آسانی کے ساتھ فوراً تو شاید ملے نہیں تو موبائل پر گوگل کر کے سنائیں گے، مگر اللہ رب العزت نے افطار سے قبل ہی ہمیں خوشگوار حیرت کا افطار کروا دیا۔

حدیث مبارکہ یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''معراج کی شب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اے محمد! اپنی امت سے میرا سلام کہیے اور انھیں بتلایئے کہ جنت کی مٹی بہت اچھی (زرخیز) ہے، اس کا پانی بہت میٹھا ہے، وہ چٹیل میدان ہے اور اس کی باغبانی: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ ہے۔''

ہمارا ابتدا سے معمول رہا ہے کہ صرف پڑھ کر سنا نہ دیا جائے بلکہ بچوں کو سوال کی ڈور سے مجلسِ علم کے ساتھ باندھ لیا جائے۔

اور واقعی 'سوال' بہت ہی اہم شے ہے۔ گویا شہرِ علم کا دروازہ ہے!

سو بچوں سے کہا کہ پتا ہے کس نے سلام بھیجا ہے آپ کو؟

سب بولے: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام!''

ہم نے کہا: ''جی ہاں! اور معلوم ہے ناں کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کون ہیں؟ آپ ابوالانبیاء ہیں، خلیل اللہ ہیں۔''

آپ نے ہمیں سلام بھیجا ہے اور بھیجا بھی ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے ہے۔ تو چلو اب حضرت کو ان کے سلام کا جواب دو۔ جو امتی بھی یہ حدیث مبارکہ سنے، اسے جواب ضرور دینا چاہیے!

سبھی نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔

کہا: ''ارے نہیں بھئی، اگر کوئی شخص، کسی دوسرے کا سلام لے کر آئے تو جواب دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام لانے والے کو بھی جواب میں شامل کیا جائے اور یوں جواب دیا جائے:

''وَعَلَیْکَ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ!''

اس حدیث کو سن کر اس طرح جواب دینے سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو نہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جواب ہو جاتا ہے!''

ہاں چونکہ ہمیں یہ سلام حدیث سنانے والے کے ذریعے ملا ہے تو اس کی بھی نیت کر کے اگر علیک وعلیہما السلام کہہ دیا جائے تو دونوں محترم انبیاء کرام کے ساتھ ساتھ راوی کو بھی جواب ہو جائے گا!

تو قارئین! آپ سب بھی یہ جواب کہہ دیجیے اور اپنے دوستوں کو بلکہ ہر جاننے والوں کو آگے یہ حدیث سناتے ہوئے سلام منتقل کر دیجیے!

اور ہاں ساتھ ہی جواب کے یہ الفاظ بھی سکھا دیجیے گا۔

آپ سب پر سلامتی ہو، رحمتیں اور برکتیں، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

اب ہندوستان ہمارا ہے

اعظم طارق کوہستانی

ٹیپوسلطان نا صرف بہادر انسان تھے بلکہ ایک بہترین حکمران کی حیثیت سے برصغیر میں ہر دل عزیز شخصیت کے مالک بھی تھے۔ ۱۰ نومبر ۱۷۵۰ء کو بنگلور میں پیدا ہونے والے حیدرعلی کے فرزند انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے والے اٹھارویں صدی کے آخری مجاہد تھے۔ مغلیہ سلطنت جب زوال کا شکار ہوگئی اور انگریزوں نے پورے برصغیر پر قبضہ جمانے کے لیے مختلف علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا تو یہ باپ بیٹے (حیدر علی اور ٹیپو سلطان) ہی تھے جنھوں نے انگریزوں کو پچاس سال تک ہندوستان پر قبضہ کرنے سے روکے رکھا اور شاید انگریزوں کو بحیرہ عرب میں ہمیشہ کے لیے غرق بھی کردیتے...... اگر ٹیپو سلطان کی فوج کے اہم افسر ''میر صادق'' اور ''پورنیا'' غداری نہ کرتے......!

میسور کی چوتھی جنگ سلطان ٹیپو اور انگریزوں کے درمیان جاری تھی۔ دونوں طرف سے تابڑتوڑ حملے جاری تھے۔ ٹیپو سلطان کا پلڑا آہستہ آہستہ بھاری ہوتا جارہا تھا، کہتے ہیں کہ اگر کفر کے آگے ڈٹ جاؤ تو وہ زیادہ دیر تک پاؤں نہیں جما سکتا۔ انگریزوں نے میر صادق سے خفیہ ملاقاتیں کرکے اسے ڈرایا کہ 'ٹیپو سلطان کی کہانی بس...... اب ختم ہونے والی ہے پھر تمھیں ہمارے عتاب سے کون بچائے گا؟ اگر خیریت چاہیے تو ہماری حمایت کردو، ہم تمھیں اور تمھارے خاندان کو کچھ نہیں کہیں گے۔' اسی طرح ''پورنیا'' سے بھی معاہدہ کیا گیا۔

میر صادق نے سرنگا پٹم کے مضبوط قلعے کا نقشہ انگریزوں کو فراہم کردیا۔ جس کی وجہ سے قلعے میں موجود اسلحہ ڈپو اور دیگر کئی اہم مقامات کے بارے میں انگریزوں کو پتا چل گیا۔ دوسری جانب جنگ میں ایک معمولی سے وقفے کے دوران پورنیا اپنے فوجی دستوں کو یہ کہہ کر پیچھے لے آیا کہ وہ اپنی تنخواہ آکر لے جائیں...... اس میں محب وطن سپاہی تو اپنی جگہ ٹھہرے رہے کہ یہ کون سا وقت ہے تنخواہ لینے کا...... لیکن سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد پورنیا کے پیچھے چلی گئی۔ بس اسی موقع سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر بھرپور حملہ کردیا۔ اسلحہ ڈپو کو آگ لگا کر خاکستر کردیا گیا اور پورنیا کی فوج کے دستے کی پسپائی نے سلطان ٹیپو کے اس مضبوط قلعے کو کھوکھلا کردیا۔ سلطان نے ان غداروں کی غداری کا سن کر کہا: ''اس غداری کا نتیجہ تمھیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمھاری آئندہ آنے والی نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل و خوار ہوکر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک گٹھی کو ترسیں گی۔''

اس اہم موقع پر ایک افسر نے سلطان سے کہا کہ 'آپ انگریزوں سے عافیت طلب کرکے اپنے خاندان کو رسوا ہونے سے بچالیں۔' غیرت مند سلطان نے پلٹ کر غصے سے جواب دیا: ''گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔'' ۳ مئی ۱۷۹۹ء کو عالم اسلام کا یہ عظیم سپوت دشمن کے خلاف دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہوگیا۔ اس عظیم کامیابی پر انگریز پھولے نہیں سما رہے تھے اور وہ خوشی سے چلا اٹھے کہ 'اب ہندوستان ہمارا ہے'۔

......ٹیپو سلطان کی زندگی ایک سچے اور مجاہد مسلمان کی سی تھی۔ وہ ایک بہترین سپہ سالار اور بہترین منتظم تھے۔ حکمران ہونے کے باوجود سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ باوضو رہنا اور تلاوت قرآن کرنا آپ کے معمولات میں شامل تھا۔ ہر شاہی فرمان کا آغاز بسم اللہ سے کرتے۔

......ٹیپو سلطان جب بھی جنگی معرکوں سے فرصت پاتے تو تعمیر و ترقی پر توجہ دیتے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے اور انگریز انھیں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے۔

......ٹیپو سلطان نے ایک یونیورسٹی قائم کی، جہاں دینی و دنیاوی تعلیم دی جاتی تھی۔

......صنعت و حرفت پر خصوصی توجہ دیتے جس کی وجہ سے انگریزوں کی بنائی ہوئی ایسٹ انڈیا کمپنی کو نقصان ہورہا تھا اس لیے وہ آپ کے مزید خلاف ہوگئے۔

......خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن کرتا ہے۔

'کیپٹن لٹل' جس نے میسور کی تیسری جنگ میں حصہ لیا، اپنی یادداشتوں میں رقم طراز ہیں: ''ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے رعایا اس سے بیزار ہے لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہورہے ہیں۔ زمین کا کوئی حصہ بنجر نظر نہیں آتا، قابل کاشت زمین جس قدر بھی ہے اس پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں اس کا بہت احترام ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج ہے۔''

ٹیپو سلطان کے اعزازات:

ٹیپو سلطان کے منفرد کاموں نے برصغیر کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ذیل میں ان کاموں کا مختصراً تذکرہ ہے۔

☆ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مردم شماری کروانے کا اعزاز بھی ٹیپو سلطان کو حاصل ہے۔

☆ دنیا میں میزائل ایجاد کرنے کا سہرا بھی ٹیپو سلطان کے سر ہے۔ امریکیوں نے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو راکٹ کے بانیوں میں شمار کیا ہے۔

☆ جرائم کی روک تھام کے لیے ہر مجرم کو سزا کے طور پر اس جرم کی نسبت سے درخت اُگانے کی ذمہ داری سونپی۔

☆ ٹیپو سلطان کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ وہ اُردو اخبار کے بانی تھے۔ ۱۷۹۴ء میں اپنی نگرانی میں ایک ہفت روزہ جاری کیا جو کہ آپ کی شہادت کے بعد بھی مسلسل پانچ سال تک جاری ہوتا رہا۔

☆......☆

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 2000 روپے بیرونِ ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

احمد عالم میواتی

تُرک ملاح کا تحفہ

صبح کا وقت تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی سہانی ہوا چل رہی تھی۔ کشتی پانی کی لہروں پر آہستہ آہستہ آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی سرور بخش ہوا چل رہی تھی۔ ہوا سے کشتی کے بادبان پھولے ہوئے تھے، اور سبک رفتار ہوا کشتی کو ہولے ہولے آگے بڑھا رہی تھی۔

وہ ایک ترک ملاح تھا جس کا سیب کی طرح سرخ چہرہ اس کی بہترین صحت کی خبر دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی اور اس کی نیلی آنکھیں گہرے سمندروں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔

وہ بہت ہی زندہ دل انسان تھا۔ اس کی زندگی میں دو ہی چیزیں اہمیت رکھتی تھیں۔ ایک اس کی کشتی اور دوسرا یہ گہرا سمندر۔ یہ سمندر اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ یہ تو اس کا گہرا دوست، اس کا ہم راز تھا۔ وہ جب اپنی کشتی میں سمندر کے سفر پر روانہ ہوتا تو اس سمندر سے پیار بھری باتیں کرتا۔ ملاح کو سمندر میں سفر کرنا بڑا اچھا لگتا تھا۔ سمندر اس کے سامنے ہمیشہ پُرسکون رہتا تھا۔ ترک ملاح کو سمندر کی یہ خاموشی اور سکوت بہت پسند تھا۔ وہ جب اداس ہوتا تو اپنی کشتی کو لے کر گہرے سمندر میں اتر جاتا۔ سرگوشیوں میں سمندر سے باتیں کرتا، یوں اس کی پریشانی دور ہو جاتی۔

آج بھی وہ اپنی کشتی لے کر گہرے سمندر میں اتر آیا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سمندر سے خوب خوب باتیں کرے، اپنے دل کے تمام راز اس کے سامنے اگل دے۔ اپنے دل کی ہر بات اس سے کرے۔

وہ کشتی کے تختے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک کشتی کے تختے سے پشت لگائے بیٹھا ہوا میں پھڑ پھڑاتے بادبانوں کی طرف دیکھتا رہا، پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کشتی کے عرشے پر آ گیا اور دور سمندر کے پانیوں کی طرف دیکھتا رہا۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ سورج کی سنہری کرنوں کا عکس سمندر کے پانی پر پڑتا تو یوں لگتا جیسے ہر طرف سونا ہی سونا بکھرا ہو۔ ترک ملاح اس خوب صورت منظر میں کھو کر رہ گیا۔ وہ پلک جھپکے بغیر اس منظر کو دیکھتا چلا گیا۔

پھر اس کے لب کھلے اور وہ جوش سے کچھ اشعار پڑھنے لگا:

”یہ سمندر مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ میری ساری زندگی اس میں سفر کرتے ہوئے گزری ہے، اگر کشتی چلاتے ہوئے مجھے کوئی پریشانی گھیر لیتی ہے تو میں اس سے بالکل نہیں گھبراتا۔ اس مصیبت اور طوفان سے میرے حوصلے نہیں ٹوٹتے، میں اس مصیبت اور پریشانی سے بالکل نہیں گھبراتا۔ میں تو ایسی حالت میں طوفان کو آواز دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آ اور میری مشکل آسان کر۔ میری تو یہ دعا ہوتی ہے کہ سمندر میں طوفان اٹھ کھڑا ہو کہ میں اس طوفان کے مقابلے میں اپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو آزما سکوں۔ چناں چہ میری زندگی میں جس قدر مشکلات آتی ہیں، اتنا ہی میرا عزم اور حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔“

نظم ختم کر کے ملاح نے ایک نظر گہرے نیلے سمندر پر ڈالی۔ سمندر پر سکوت طاری تھا۔ سمندر کی موجیں ہولے ہولے اس کی کشتی کو بڑی احتیاط اور پیار سے آگے بڑھا رہی تھیں۔

پیارے بچو!

علامہ اقبال کی یہ بڑی ہی خوبصورت رباعی ہے جس میں علامہ اقبال نے ترک ملاح کے نغمے کو بڑے ہی دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی اس رباعی میں ترک ملاح کی زبانی دنیا میں کامیابی اور کامرانی اور بلندی کا راز بڑے ہی آسان انداز میں بیان بتا دیا ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دنیا میں وہی انسان کامیابیاں سمیٹتا ہے جس کے حوصلے اور عزائم بلند ہوں، جو طوفانوں کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتا ہو، جو مشکلات اور مصائب کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا جانتا ہو، جو حوصلہ نہ ہارتا ہو، بلکہ جوش اور ولولے سے آگے بڑھتا چلا جائے۔

علامہ اقبال اپنی اس رباعی میں یہ پیغام بھی دیتے ہیں وہی قوم بلندیاں حاصل کرتی ہے جو مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا جانتی ہو، بلکہ اس قوم کے افراد مشکلوں اور مصیبتوں کو دعوت دینے کا خود میں ہمت اور حوصلہ رکھتے ہوں۔ اگر کوئی قوم مشکلوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنا نہیں جانتی تو وہ کبھی بلندیاں حاصل نہیں کر سکتی۔ ☆☆☆

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۱۷

تجارت

محمد اسامہ سرسری

آیتِ کریمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر 29)

مفہوم: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو۔

حدیثِ مبارکہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ.

مفہوم: سچا اور امانت دار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (مستدرک)

مسنون دعا: بازار میں داخل ہونے کی دعا:

بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ، وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيْهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّيْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا يَمِيْنًا فَاجِرَةً، اَوْ صَفْقَةً خَاسِرَةً.

فضیلت: اس دعا میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی نقصان دہ تجارت سے پناہ مانگنا سکھایا گیا ہے۔ (مستدرک)

فقہی مسئلہ: تجارت فقط ان چیزوں کی ہو سکتی ہے جو ملکیت میں ہوں، لہٰذا درج ذیل چیزوں کی تجارت درست نہیں ہوگی:

(1) خودرَو گھاس۔ (2) پانی (جب تک دریا، نہر یا کنویں میں ہے)۔

(3) پرندے (جب تک آزاد ہیں)۔

(4) مچھلیاں (جب تک پانی میں ہیں)۔

(5) اسی طرح گاڑی یا مکان کی فقط قیمت معلوم کر کے خریدے بغیر آگے بیچنا جائز نہیں۔

(6) اسی طرح فیکٹری سے کوئی سامان فقط بک کروا کر آگے اس کا سودا کرنا بھی جائز نہیں۔

(7) کوئی چیز کرائے پر لے کر اسے بیچنا جائز نہیں کیونکہ کرائے دار مالک نہیں ہوتا۔

(بدائع الصنائع)

قدر

پروفیسر محمد اسلام بیگ

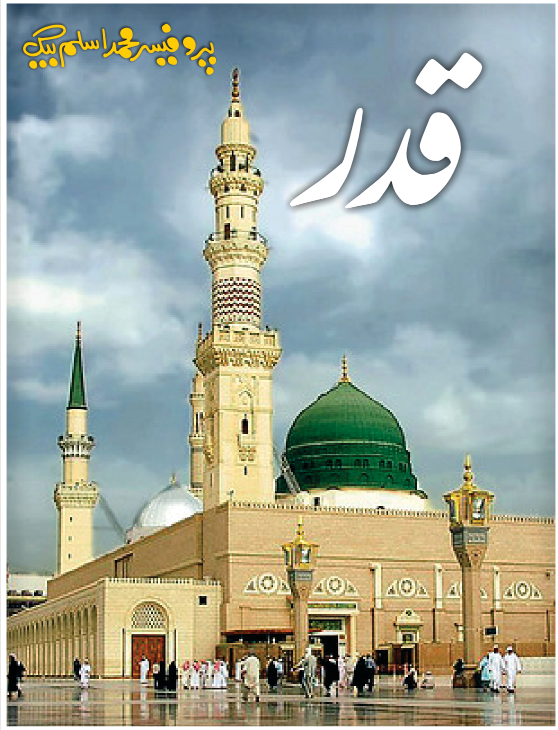

کل بھی وہ چار ہی تھے اور آج بھی چار۔

دو توانا مرد، ایک معمر خاتون اور ایک ویل چیئر۔

کردار وہی تھے، چہرے مختلف۔

یہ گزشتہ سال جمعۃ المبارک ۲۴ نومبر ۲۰۲۳ء کی بات ہے۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نمازِ اشراق ادا کرنے کے بعد میں بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلام پیش کرنے کے لیے باب السلام میں داخل ہوا۔ درود وسلام اور زیارتِ روضہ مبارک کی سعادت حاصل کرنے کے بعد باب البقیع سے باہر نکلا۔ چند قدم ہی چلا تھا کہ مسجد کے احاطے میں بیرونی گیٹ سے پہلے سامنے سے آنے والی ایک آواز نے مجھے روک لیا۔

’’حاجی صاحب! السلام علیکم!! عمرہ مبارک ہو۔ ہم آپ کے ہم وطن ہیں۔ آپ سے ایک ضروری بات پوچھنی ہے۔‘‘

باہر کی طرف سے آنے والا ایک تازہ دَم جوان مجھ سے مخاطب تھا۔

’’وعلیکم السلام! جی فرمایئے کیا بات پوچھنی ہے؟‘‘

میں نے سوچا ان کی راہنمائی کر کے جاتے جاتے ایک اور نیکی کما لی جائے۔

’’حاجی صاحب! ہمارا تعلق گجرات سے ہے۔ یہ میرا بھائی ہے اور یہ ہماری والدہ۔‘‘

اس نے دوسرے نوجوان اور پھر ایک معمر خاتون کی طرف اشارہ کیا جو ایک ویل چیئر پر سر جھکائے بیٹھی تھی اور ویل چیئر اسی دوسرے نوجوان نے تھام رکھی تھی۔

اس مختصر ملاقات میں متکلم کے فرائض وہی ادا کر رہا تھا، باقی دونوں کردار خاموش تھے۔ متکلم پنجابی میں بات کر رہا تھا اور میں کبھی اردو اور کبھی پنجابی میں جواب دے رہا تھا۔

’’حاجی صاحب! ہم گجراتیوں کے بارے میں آپ نے عجیب قسم کے محاورے سن رکھے ہوں گے لیکن ہم اُن میں سے نہیں ہیں۔‘‘ نوجوان مسکرا کر بولا۔

’’ہم لوگ ویسے ہی بدنام ہیں۔ یہاں ہمارے ساتھ بھی کوئی ہاتھ کر گیا۔ کل ہماری پاکستان واپسی ہے۔ آج ہم نے کھجوریں اور اپنے رشتے داروں کے لیے تحائف خریدے۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب خالی تھی۔ آٹھ سو ریال کے بدلے دکاندار نے ہمارے کاغذات رکھ لیے ہیں۔ اب جب تک آٹھ سو ریال کا بندوبست نہیں ہوتا، ہماری واپسی نہیں ہوسکتی۔‘‘

نوجوان نے مجھے ’بھیک طلب‘ نظروں سے دیکھا۔

’’لیکن آپ نے تو کوئی بات پوچھنی تھی۔ یہ تو آپ سراسر بھیک مانگ رہے ہیں!‘‘

میرا نیکی کمانے کا شوق سرزنش میں تبدیل ہوگیا۔

’’حاجی صاحب محترم! پوری بات تو سن لیں۔ ہم بھیک نہیں مانگ رہے۔ آپ سے بات ہی پوچھنی ہے۔ آپ بزرگ ہیں، پڑھے لکھے اور معزز لگ رہے ہیں۔ آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم بھی کسی کی جیب کاٹ کر یہ پیسے پورے کرلیں یا آپ جیسے کسی خدا ترس ہم وطن سے مدد لے کر چوری جیسے گناہ سے بچ جائیں؟‘‘

ہوشیار نوجوان نے فوراً پینترا بدلا۔

اس کا پیشہ ورانہ انداز، اس کی مسکراہٹ اور اس کا اعتماد اس کے فن کار ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اس سے مجھے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی سو میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا:

’’آپ کسی عالمِ دین یا مفتی صاحب سے یہ مسئلہ پوچھیں۔‘‘

☆......☆

اگلے روز یعنی ہفتہ ۲۵ نومبر ۲۰۲۳ء کو مدینہ منورہ میں ہمارے پانچ روزہ قیام کے بعد مکہ معظّمہ واپسی تھی۔ حسبِ معمول میں نمازِ اشراق کے بعد درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد باب البقیع سے باہر نکل کر بیرونی گیٹ کی طرف جا رہا تھا کہ آج پھر کل ہی کی طرح زوردار سلام کی آواز کانوں میں پڑی:

’’السلام علیکم حاجی صاحب! آپ ماشاء اللہ ہمارے مرحوم والد صاحب ہی کی طرح ہیں۔ کس شہر سے تشریف لائے ہیں؟‘‘

میں نے نگاہ اٹھائی تو کل کی طرح اپنے سامنے ایک بار پھر چار کرداروں کو پایا۔ دو نوجوان صحت مند مرد، ایک معمر خاتون اور ویل چیئر۔ کردار چار ہی تھے لیکن شکلیں مختلف۔ خاتون اور ویل چیئر پر تو میں نے سرسری نظر ڈالی، اس لیے میں کہہ نہیں سکتا کہ کل والی خاتون ہی تھیں یا ویل چیئر کی طرح وہ بھی کرایہ پر لی گئی تھیں لیکن دونوں نوجوان ضرور مختلف شکل و صورت اور قد کاٹھ کے تھے اور کل والوں سے زیادہ صحت مند تھے۔

مشہور ہے کہ مائیں سب کی سانجھی ہوتی ہیں اس لیے کوئی بھی معمر خاتون کسی بھی ضرورت مند کی ماں کا کردار ادا کرسکتی ہے۔

میں کل اور آج والوں کے حلیے کا موزنہ کر رہا تھا اس لیے سوائے وعلیکم السلام کے ان کی بات کا جواب نہ دے سکا۔

متکلم نے میرا شہر معلوم کرنے کا تکلف کیے بغیر بات آگے بڑھائی:

’’ہم گوجرانوالہ سے آئے ہیں۔ آپ کو پتا ہے گوجرانوالہ کھانے پینے والوں کا شہر ہے (ان کی صحت ان کی بات کی تصدیق کر رہی تھی)۔ اللہ نے ہمیں بھی بہت کچھ دیا ہے لیکن یہ ہماری والدہ اچانک بہت زیادہ بیمار ہوگئیں۔ پانچ دن اسپتال میں رہیں۔ کل ہی ڈسچارج ہوئی ہیں۔ ان کی بیماری کی وجہ سے ہماری فلائٹ مس ہوگئی۔ اب ایئرلائن والے کہہ رہے ہیں کہ ایک دن کے فی ٹکٹ ۳۰۰ ریال جمع کرائیں تو نئے ٹکٹ ملیں گے۔ ہم اتنی رقم کہاں

سے لائیں؟ کبھی ایسی نوبت نہیں آئی تھی۔ امید ہے کہ آپ خود کو ہمارے مرحوم والد صاحب کی جگہ سمجھ کر ہماری مشکل آسان کریں گے۔“

شکلوں کے ساتھ ساتھ آج کہانی بھی مختلف تھی لیکن کل کی مسکراہٹ کی جگہ آج سنجیدگی لی ہوئی تھی۔

کہانی سے یاد آیا کہ کہانی کہنا یا لکھنا محض روایتی ادیبوں اور قلم کاروں کی میراث نہیں، ہمارے معاشرے میں خاص پر بھکاریوں کے طبقے میں ایک سے بڑھ کر ایک کہانی کار چھپا بیٹھا ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے میں ان کہانی کاروں کے تخیل کی زرخیزی عروج پر ہوتی ہے۔ اُن کی دردناک کہانیاں سن کر آنکھوں سے آنسو نکلیں نہ نکلیں، دل ضرور اشک آلود ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ کہانی کار ہونے کے ساتھ ساتھ اداکار اور فنکار بھی غضب کے ہوتے ہیں اس لیے ان کے دامِ سخن میں گرفتار ہونے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی:

بڑے وثوق سے دنیا فریب دیتی ہے
بڑے خلوص سے ہم اعتبار کرتے ہیں

ان کے کارناموں پر بھی ایک الگ کہانی لکھی جاسکتی ہے لیکن ہم اپنی اصل کہانی کی طرف لوٹتے ہیں۔

”مشکل کشا تو اللہ کی ذات ہے۔ بندوں سے مانگنے کی بجائے اللہ سے مانگیں۔“

میں نے اس جملے سے اپنی مشکل دور کرنے کی کوشش کی۔

”حاجی صاحب! ہم آپ کے بچوں کی طرح ہیں۔ پوری نہیں تو کچھ مدد ہی کر دیں۔“

متکلم کا ہاتھ میری ٹھوڑی کی طرف بڑھا جسے میں نے پیچھے کرتے ہوئے آگے بڑھ جانے میں عافیت سمجھی۔

☆......☆

دونوں پارٹیوں نے بھیک مانگنے کے لیے جائے واردات بہت سوچ سمجھ کر منتخب کی تھی یعنی باب البقیع سے کچھ آگے اور بیرونی گیٹ نمبر 361 سے کچھ پہلے۔ مواجہ شریف کے سامنے درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد زائرین کے دل نرم اور پسیجے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور خیرات کر دیتے ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ اس حصے میں عموماً پولیس اہلکار بھی نہیں ہوتے، اس طرح ان لوگوں کو ایک محفوظ ٹھکانا مل جاتا ہے۔

یہ ایک ہی نوعیت کے دو مختلف واقعات اس وقت یاد آئے جب چند روز پہلے سعودی حکومت نے ایام حج میں حرمین شریفین میں بھیک مانگنے والوں کے لیے سات سال قید اور بھاری جرمانہ عائد کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اتنی زیادہ قید اور اتنے بڑے جرمانے کے باوجود ہمارے کچھ ہم وطن اس دھندے سے باز نہیں آتے اور روپ بدل بدل کر اپنا الو سیدھا کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

اپنی اپنی قسمت ہے کچھ لوگ اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے رب العالمین کے گھر اور رحمت للعالمین کے در کا سہارا تلاش کرنے یہاں آتے ہیں اور دوسری طرف کچھ بدقسمت گناہوں کا بوجھ لادنے اور اپنی آخرت برباد کرنے کے لیے ان مقدس مقامات کا سہارا لیتے ہیں یوں ان متبرک مقامات کی ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ

”اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔“ (سورۂ زمر، آیت: 67)

☆☆☆

کہانی کہانی میں بچوں کو پیارے نبی ﷺ کی پیاری سیرت، احادیث اور سنتیں سکھانے والی بہترین کتابیں

نمبر شمار	کتاب	مصنف	قیمت
1	رحمت کی بارش	امجد جاوید	450/-
2	سیرت کہانی	عبدالعزیز	700/-
3	مدین کا چرواہا	ابو محمد فہمی	600/-
4	گلو کا چندو	محمد فہیم عالم	400/-
5	آسان قرآن کہانیاں	محمد فیصل علی	550/-
6	آسان فقہ کہانیاں	محمد فیصل علی	700/-
7	آسان سیرت کہانیاں	محمد فیصل علی	700/-
8	رول ماڈل	قرۃ العین خرم ہاشمی	550/-
9	دادا جان کی چھڑی	قرۃ العین خرم ہاشمی	500/-
10	مسجد دادی جان	کاوش صدیقی	800/-
11	انگور کے دانے	کاوش صدیقی	800/-
12	گم شدہ چابی	راحت عائشہ	350/-
13	روشنی ہی روشنی	غلام محی الدین ترک	550/-
14	چچا رازی	عمارہ فہیم	500/-

تمام کتابیں آدھی قیمت پر

حیرت انگیز آفر! 50% OFF

ہم نے بسایا ہے آپ کے لیے کتابوں کا ایک نیا جہاں

نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔

ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ

بچوں کے لیے اسلامی کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں۔ پھر Children Islamic Story Books پر کلک کریں۔ اپنے مطلوبہ ناول کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اُس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلیور ہو جائے گا۔ شکریہ

گھر بیٹھے معیاری اور بہترین کتابوں کی خریداری کے لیے ابھی ہماری ویب سائٹ ”کتاب نگر“ وزٹ کیجیے۔

www.kitaabnagar.com

بذریعہ کال یا واٹس ایپ رابطہ کرنے کے لیے 0349-4892240

KITAB NAGAR

میر حجاز

اختر حسین عزمی

''تم کون ہو؟''

اللہ کے نبیؐ نے اجنبی سردار سے پوچھا جس کے پاس ستر سوار کھڑے تھے۔

''میرا نام بریدہ ہے۔'' بریدہ نام سن کر حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیک شگون لیا اور اپنے ساتھی ابوبکرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ!''

ہماری مہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور حالات درست ہوگئے۔''

''تم کس قبیلے سے ہو؟''

''میں اسلم قبیلہ کا ہوں۔'' یہ سن کر اللہ کے نبیؐ نے فرمایا:

''سَلِمنا، ہم محفوظ ہوگئے۔''

پھر پوچھا: ''بنی اسلم کی کس شاخ سے؟''

''میں بنی سہم خاندان سے ہوں''۔

''خرج سھمک یا ابابکر، اے ابوبکر! تیرا تیر نکل آیا۔''

''آپؐ کون ہیں۔'' اب بریدہ اسلمی نے پوچھا۔

''میں محمدؐ بن عبداللہ ہوں اور اللہ کا رسولؐ ہوں۔''

یہ اللہ کے رسولؐ کے چہرے کا جلال و جمال تھا یا حُسنِ مقال کہ وہ بریدہ جو انعام کے لالچ میں آپ کی گرفتاری کے لئے آیا تھا، آپ سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر کہا: اَشھدانَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عبدہٗ و رسولہ۔

جب اس کے تمام ہمراہی مشرف بہ اسلام ہوگئے تو حضرت بُریدہؓ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جذبات تشکر کا اظہار کیا:

''حمد اس اللہ کی جس کی مہربانی سے بنو سہم کے قبیلے نے بغیر کسی جبر کے اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔''

رات گزری اور صبح ہوئی تو حضرت بریدہؓ اسلمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسولؐ! یثرب میں داخل ہوتے وقت آپ کے ساتھ پرچم ضرور ہونا چاہیے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سفید رنگ کا عمامہ کھولا اور اسے نیزے کی اَنی پر ٹانگ کر پرچم بنایا اور سفر میں آپ کے ساتھ ساتھ پرچم لہراتے ہوئے چلے۔

سراپا انتظار:

اللہ کے رسولؐ کی مکے سے روانگی کی اطلاع اہل یثرب کو مل چکی تھی اور اس وقت سے وہ سراپا انتظار تھے۔ مکہ سے یثرب پہنچنے میں بالعموم آٹھ دس دن لگتے تھے۔ ابتدائی دنوں میں تو انہوں نے دلوں کو تسلی دے لی لیکن گزشتہ دو تین دن سے ان کا اضطراب بہت بڑھ گیا تھا۔ آپ کی جان کے بارے میں خطرات بھی موجود تھے۔ یثرب سے تین میل کے فاصلے پر، مکے کی شاہراہ پر بنی عمرو بن عوف کا قبیلہ قبا کی بستی میں آباد تھا۔ ان کے کئی سردار مسلمان ہو چکے تھے اور ان کے ہاں مکہ سے آنے والے مہاجرین ٹھہرے ہوئے تھے۔

تین دن سے قبا کی بستی کے لوگ، مہاجرین اور یثرب سے آنے والے مسلمان صبح سویرے قبا کی بستی سے کچھ آگے حرۃ نامی چٹان پر چلے جاتے اور وہاں سے مکے کے راستے کی طرف اپنی نگاہیں جما دیتے۔ آج ان کے شوقِ انتظار کا تیسرا دن تھا۔ انتظار کرتے کرتے دھوپ کی تمازت اتنی بڑھ چکی تھی کہ انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے پرندے درختوں میں دبک گئے اور بکریوں کے ریوڑ بھی اب دُور دُور تک دکھائی نہ دے رہے تھے۔ مکے سے یثرب کی طرف آنے والی شاہراہ بھی سنسان دکھائی دیتی تھی۔ چنانچہ غیر یقینی کیفیت میں گرمی سے بچنے کے لیے منتظر لوگ ایک ایک دو دو کر کے گھروں کو واپس جانے لگے۔ شوقِ دیدار سے سرشار آئے ہوئے پروانے ٹوٹے دل کے ساتھ واپس مڑ رہے تھے۔

اچانک ایک ٹیلے کی بلندی پر ایک یہودی کی نظر شاہراہ مکہ پر پڑی تو اسے دور چند اُونٹوں پر مشتمل ایک قافلے کا ہیولہ سا نظر آیا اور پھر قافلے کے اوپر ایک سفید جھنڈا بھی لہراتا دکھائی دیا۔ اس کی نظر اس پر ٹک گئی، پھر اچانک اس کی آواز بلند ہوئی:

''اے بنو قیلہ کے فرزندو! وہ آگیا تمھارا سردار، تمھارے پاس آگیا۔''

یہ آواز کیا تھی! بس مسرت و شادمانی کی ایک لہر تھی جو ہر سننے والے کے دل میں موجزن ہوگئی۔ ہر کوئی حرہ کی چٹان کی طرف واپس پلٹ پڑا۔ کوئی ہتھیار بند تو کوئی ہتھیاروں سے بے نیاز، مرد و عورت، جوان بوڑھے اور بچے سبھی ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے واپس مڑ رہے تھے: ''اللہ کے رسولؐ تشریف لے آئے''۔

☆☆

ہر کوئی اللہ کے رسولؐ کے دیدار و استقبال کے لیے دیوانہ وار دوڑا چلا جا رہا تھا۔ سرزمینِ حرم کے رہنے والے، اپنے قبیلے، اپنے خون والے جنھیں پہچاننے اور ماننے سے محروم رہے، سینکڑوں میل دُور، دوسرے قبائل والے ان کے اعوان و انصار اور دست و بازو بننے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت تصور کر رہے تھے۔

ادھر اللہ کے رسولؐ اور ابوبکر صدیقؓ ایک کھجور کے سائے میں اتر گئے، پھر شائقینِ دیدار پہنچنا شروع ہوگئے۔ تھوڑی ہی دیر میں زائرین کی بھیڑ لگ گئی۔

اہل یثرب کی اکثریت نے اللہ کے رسول کو اس سے پہلے دیکھا ہوا نہ تھا۔ تقریباً ایک ہی عمر کی دو بزرگ ہستیاں، ان کے سامنے تھیں، ان میں اللہ کے نبی کون ہیں؟ یہ پہچاننے میں انھیں دقت پیش آرہی تھی۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکرؓ کو ہی نبی گمان کرتے ہوئے سلام کر رہے تھے۔ صدیق اکبر نے لوگوں کی پریشانی کو بھانپ لیا اور وہ حضورؐ پر اپنی چادر تان کر سایہ کر کے کھڑے ہوگئے۔ اس طرح لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون۔

یثرب ابھی تین میل کی مسافت پر تھا۔ قبا کی بستی میں بنی عمرو بن عوف نے مکے سے ہجرت کرنے والے صحابہ کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہوا تھا۔ اللہ کے نبیؐ انھی کے ہاں کچھ دن کے لیے ٹھہر گئے۔ یہاں آپؐ نے اسلام کی سب سے پہلی مسجد کی تعمیر کی۔ یثرب کے لوگ بھی قبا میں آکر آپ سے ملتے رہے۔ اسی دوران حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ جو امانت کی ادائیگی کے لیے مکہ میں ٹھہر گئے تھے، مکہ سے یثرب تک پیدل سفر کرتے ہوئے اللہ کے نبیؐ کی آمد کے تین دن بعد قبا میں پہنچ گئے۔ پیدل چلنے سے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے ان کے زخموں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ بہت جلد تندرست ہوگئے۔

جاری ہے

وقت کی پکار

سعد حیدر

''نو لیکچر نو کلاس! بائیکاٹ بائیکاٹ! نو لیکچر نو کلاس! بائیکاٹ بائیکاٹ!''

انجینئرنگ یونیورسٹی کے در و بام فلک شگاف نعروں سے دہل رہے تھے۔ طلبہ کلاسوں کا بائیکاٹ کر کے باہر کے احاطے میں جمع ہونا شروع ہو چکے تھے جہاں ایک طلبہ تنظیم کا لیڈر مائیکرو فون پکڑے اپنے گلے کا پورا زور لگا کر تقریر کر رہا تھا۔ ''ہمارے مطالبات ماننا پڑیں گے۔ کس قدر ظلم ہے کہ پہلا بیچ آٹھویں سمسٹر میں پہنچ چکا ہے اور ابھی تک ہماری فیکلٹی اور ہماری ڈگری PEC (پاکستان انجینئرنگ کونسل) سے منظور شدہ ہی نہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ جلد از جلد ہماری ڈگری منظور کرائی جائے۔ جب تک ہمارا مطالبہ نہیں مانا جائے گا تب تک ہمارا کلاسوں کا غیر معینہ بائیکاٹ جاری رہے گا۔ آپ سب اس بائیکاٹ میں ہمارا ساتھ ہیں؟''

کھیل تماشوں کے دلدادہ اور شغل میلے کے مواقع تلاش کرنے والے طلبہ کے لیے یہ اعلان ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہ تھا، چنانچہ سب نے بیک وقت کہا: ''ساتھ ہیں...... ساتھ ہیں!''

اس کے بعد بھی بے چارہ لیڈر مائیکرو فون پکڑے اپنا راگ الاپتا رہا مگر اب اس کی سن کون رہا تھا۔ طلبہ ہڑبونگ مچاتے ہوئے وہیں مختلف ٹولیوں میں بٹ کر سیر و تفریح اور چھٹیاں منانے کے پروگرام بنانے لگے۔ لیڈر ہنوز تقریر کر رہا تھا۔

''واہ جی وا! آج تو مائیکرو کنٹرولرز کا ٹیسٹ تھا۔ ما بدولت کی حسبِ عادت ذرا بھی تیاری نہ تھی۔ فل ٹائم بچت ہوگئی یار وفل ٹائم!''

یہ صدام تھا جس کا پانچویں سمسٹر تک پہنچنا تمام انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کی متفقہ رائے کے مطابق ایک کرشمے سے کم نہ تھا، جس پر اکثر کے بقول پی ایچ ڈی کے مقالے بھی لکھے جا سکتے تھے۔

''چلو پھر پیارے بچو! کیا خیال ہے؟ اسی خوشی میں ذرا KFC یا مکڈونلڈز نہ ہو جائے آج؟''

یہ چاچو جی تھے۔ نام تو ان کا طارق تھا مگر چونکہ تاخیر سے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اور اپنے کلاس فیلوز سے عمر میں چھے سات سال بڑے تھے تو داخلے کے بعد چند ہی دن میں ان کا نام یونیورسٹی بھر میں چاچو جی مشہور ہو گیا تھا۔ حد تو یہ تھی کہ کلاس میں حاضری لگاتے ہوئے اساتذہ بھی انھیں اب طارق کے بجائے چاچو جی کہہ کر پکارتے تھے۔

''چاچو جی! پہلے بتا دوں کہ اپنی جیب تو بالکل خالی ہے۔ اپنے پلے سے کھلاتے ہو تو ابھی لے چلو۔''

یہ عمران تھا جو اپنے گروپ میں کنجوس مکھی چوس مشہور تھا اور اس کی جیب سے کبھی کچھ دوستوں کے لیے برآمد ہونے کی امید رکھنا کارِ عبث تھا۔

''ہاں جناب! جیسے ہمارے ابا جان کی تو شوگر ملیں لگی ہوئی ہیں۔''

چاچو جی نے منہ بگاڑ کر کہا تو پورے گروپ کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

یہ پانچویں سمسٹر کی کلاس کے چار لڑکوں کا گروپ تھا جنھوں نے ازراہ تفنن اپنے گروپ کا نام فنٹاسٹک فور (Fantastic Four) رکھا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے بھئی! آپ کا یہ بھائی ہمیشہ کی طرح ملک و قوم کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ آج مکڈونلڈز میں لنچ بندۂ ناچیز کی طرف سے ہے۔'' عبداللہ گویا ہوا۔

عبداللہ کی بات سن کر چاچو جی نے خوش ہو کر نعرہ لگایا: ''عبداللہ ساڈا شیر ہے۔''

عمران اور صدام نے بازو لہراتے ہوئے جواب دیا: ''باقی ہیر پھیر ہے!''

سب منتظر نگاہوں سے چاچو جی کی طرف دیکھنے لگے اور حسبِ توقع ہمیشہ کی طرح چاچو جی نے مزاحیہ انداز میں تیزی سے دائیں اور پھر بائیں دو تین مرتبہ دیکھا اور پھر شرارت بھری آنکھیں گول گول گھما کر ذرا آگے بڑھے اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے:

''بس دم لان دی دیر ہے (بس دُم لگانے کی دیر ہے)!''

چاروں دوستوں نے ایک قہقہہ مارا اور ہنستے مسکراتے چہلیں کرتے، ایک دوسرے پر فقرہ چست کرتے یونیورسٹی پارکنگ کی طرف چل پڑے جہاں ان کی موٹر سائیکلیں ان کی منتظر تھیں۔

''مکڈونلڈ کے برگر کی کیا بات ہے یار! کھا کر ایک دم جذباتی ماحول بن جاتا ہے۔''

اسلام آباد کے ایک مرکزی بازار میں واقع ریسٹورنٹ کے پاس موٹر سائیکل پارک کرتے ہوئے چاچو جی نے کہا۔

''یہ اچھا ہے چاچو جی! تم بس کھاتے پیتے وقت ہی جذباتی ہوتے ہو اور کسی وقت جذباتی ہوتے نہیں دیکھا۔''

عبداللہ نے موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے کہا۔

''بس شہزادے! تمھارے چاچو جی کا موٹو ہے: ٹینشن کبھی نہیں لینی، جب بھی لینی ہے CD70 یا 125 لینی ہے۔''

دادی جان کی باتیں

چھوٹی عمر کے بچوں کے لیے خوب صورت اور بہترین تحفے

بچوں کی دینی واخلاقی تربیت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، اگر ہم بچپن ہی سے اس کی فکر اور کوشش کریں گے تو کل یہی بچے اچھے مسلمان اور قوم کے معمار بن کر ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ بنیں گے۔

الحمدللہ! اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں میں اللہ کی محبت واطاعت اور اچھی عادات پیدا کرنے کے لیے یہ کتابیں تیار کی گئی ہیں۔

آپ یہ کتابیں بچوں کو دیں، انھیں پڑھ کر سنائیں اور سمجھائیں، تاکہ ہم سب اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکیں۔

4 سے 6 سال کے بچوں کے لیے

صرف 320/-

تین کتابوں کا سیٹ

خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔

بیتُ العِلم (الوقف)

رابطہ نمبر: 0309-2228089، 0321-8566511 برائے تجاویز: 0322-2583196

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

چاچو جی نے مونچھوں کو مروڑتے ہوئے اپنے مخصوص لاابالی انداز میں کہا تو عبداللہ مسکرادیا۔

''چاچو جی! تم بھی نا بس کبھی نہیں سدھرو گے۔لو بھائی! دوسری پارٹی بھی پہنچ گئی۔''

صدام اور عمران دوسرے موٹر سائیکل پر قدرے تاخیر سے پہنچے تو چاروں اکٹھے گپ شپ لگاتے ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔ریسٹورنٹ میں معمول کی گہما گہمی نظر آرہی تھی۔فیملیاں،دوستوں کے گروپ سبھی باہم خوش گپیاں کرتے ہوئے کھانے میں مصروف تھے۔

''ابے یار! آج تو ساری ہی میز بک ہیں۔سارا جذباتی ماحول خراب ہو رہا ہے۔''

منہ بسورتے ہوئے چاچو جی نے کہا تو عبداللہ نے مزاحاً انہیں پچکارتے ہوئے کہا:''صبر کرو چاچو! صبر کا پھل بہت میٹھا ہوتا ہے۔''

اتنے میں ایک فیملی اٹھی تو فوراً ان سے چاروں دوستوں نے ان کی جگہ سنبھال لی۔

''ہاں بھئی کون جائے گا آرڈر دینے؟'' یہ چاچو جی تھے جن کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں تو نہیں جارہا کاؤنٹر پر، تم میں سے کون جائے گا۔

''پچھلی مرتبہ میں آرڈر لے کر آیا تھا سو اس مرتبہ مجھے اس مشقت سے معاف ہی رکھیے گا۔'' یہ عمران تھا سدا کا کام چور۔

''چلو جی! اب باقی میں اور صدام ہی رہ گئے ہیں پیچھے۔ٹھیک ہے میں یعنی خادم حلقہ یاراں بقلم خود ہی لے آتا ہوں برگر بھی۔''

عبداللہ یہ کہہ کر اپنی سیٹ سے اٹھنے کو ہی تھا کہ اسے موبائل پر میسج کی آواز نے دوبارہ بٹھا دیا۔اب وہ انگلی سے اسکرین پر اسکرولنگ کرتا میسج پڑھ رہا تھا۔

پچھلے چند ہفتوں سے عبداللہ سوشل میڈیا پر کافی متحرک تھا۔اس وجہ سے اس کے دوست اس سے بہت نالاں تھے اور انھوں نے تو اس کے موبائل کا نام ہی 'رقیب' رکھ چھوڑا تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ اس عبداللہ کے موبائل کی گردن مروڑ دوں۔''

''نہ نہ چاچو جی! گردن مروڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔پانی کے گلاس میں ایک ڈبکی دے دو، رقیب کا کام بن جائے گا۔''

عبداللہ انتہائی محو ہو کر میسج پڑھ رہا تھا۔اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جارہا تھا۔

''اٹھو دوستو! پارٹی کینسل، ہمیں فوراً یونیورسٹی پہنچنا ہے۔''

عبداللہ نے یہ کہہ کر موبائل جیب میں ڈالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے گلنار ہوئے جارہا تھا اور آنکھیں بھی لال ہو رہی تھیں۔

''یار! خیر تو ہے؟'' چاچو جی، صدام اور عمران تینوں ہی پریشان ہو گئے اور عبداللہ کے پیچھے تیز قدموں سے ریسٹورنٹ سے نکل گئے۔

''یار! بتا بھی دے کیا ہوا ہے؟ کہیں یونیورسٹی میں خدانخواستہ لڑائی تو نہیں ہوگئی؟''

''یونیورسٹی جا کر بتاؤں گا۔''

یہ کہہ کر عبداللہ نے کک مار کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ چاچو جی جلدی سے پیچھے بیٹھ گئے مبادا کہیں چھوڑ ہی جائے اور اگلے لمحے موٹر سائیکل ہواؤں سے باتیں کر رہی تھی۔ چاروں دوست جب واپس یونیورسٹی پہنچے تو وہاں ہنوز گہما گہمی برقرار تھی۔ ویسے بھی انھیں یہاں سے مکڈونلڈ جا کر واپس آنے میں بمشکل آدھا گھنٹہ ہی تو لگا تھا۔

''چاچو جی! آج آپ کی مبارک مونچھوں کی ضرورت آن پڑی ہے۔انھیں مروڑ کر تمام طلبہ کو حکم دیجیے کہ فی الفور ڈیپارٹمنٹ کے ہال میں پہنچیں۔ مجھے ان سے نہایت ضروری بات کرنی ہے۔'' عبداللہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے چاچو جی سے کہا حالانکہ اس کا دل اس وقت خون کے آنسو رو رہا تھا۔اسے ریسٹورنٹ میں بیٹھے میسج پڑھتے جن حقائق کا ادراک ہوا تھا انھوں نے اسے سر تا پا شرم سے پانی پانی کر دیا تھا۔

''ہم اپنے ہاتھوں سے انھیں......اپنے ہاتھوں سے......''

اس سے آگے بس اس سے سوچا نہ گیا اور وہ تیز قدموں سے ہال کی طرف چلتا گیا اور راہ میں ملتے دوستوں کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔اسے معلوم تھا کہ چاچو جی پانچ منٹ کے اندر اندر تمام طلبہ کو ہال میں ان کے لیڈر سمیت لے آئیں گے۔ آٹھویں سمسٹر کے طلبہ بھی بڑی عمر والے

چاچو جی کا احترام کرتے تھے اور اُن کی بات تمام انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں مانی جاتی تھی۔

''میرے دوستو! آپ لوگ بائیکاٹ میں مصروف ہیں۔ کلاسیں آف ہو چکی ہیں۔ ایسے میں بالکل دل نہیں چاہتا کہ کوئی سنجیدہ بات سنی جائے۔ اس لیے میں آپ کا چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔''

عبداللہ کی توقع کے عین مطابق چند منٹوں کے اندر اندر ہی ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ دروازے پر چاچو جی ایسے کھڑے تھے جیسے اگر کوئی باہر نکلنے کی جرأت کرے گا تو وہ اسے گردن سے پکڑ کر واپس اس کی نشست پر زبردستی بٹھا دیں گے۔ ہال کا دروازہ کھلا اور وہ لیڈر جو کچھ دیر پہلے باہر کلاسوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر رہا تھا، داخل ہوا اور چاچو کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ ہال میں تو تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔

''دوستو! آپ میں سے کے۔ ایف۔ سی، مکڈونلڈز، بارڈیز اور سب وے کس کس کو پسند ہیں؟ ذرا ہاتھ تو کھڑا کیجیے۔''

اس سوال پر ہال میں کوئی ایک باقی نہ رہا جس نے ہاتھ نہ کھڑے کر دیے ہوں۔ اگر اس وقت طلبہ پیچھے مڑ کر دروازے پر کھڑے چاچو جی کو دیکھتے تو یقیناً ان کی ہنسی چھوٹ جاتی کہ چاچو نے دونوں بازو اور ایک ٹانگ ہوا میں کھڑی کر رکھی تھی اور بڑی مشکل سے اپنا توازن برقرار رکھا ہوا تھا۔ عبداللہ کی نظر چاچو جی پر پڑی تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''چلیے ذرا یہ مختصر سا سلائیڈ شو ملاحظہ کیجیے۔''

یہ کہہ کر عبداللہ نے موبائل کے بلوٹوتھ کے ذریعے لیپ ٹاپ میں ویڈیو بھیجی۔ چند بٹن دبائے تو اسٹیج پر نصب بڑی اسکرین پر تصاویر سلائیڈ شو کی صورت میں نمودار ہونے لگیں۔ پہلی تصویر جیسے ہی اسکرین پر نمودار ہوئی تو ہال میں ایک دم سناٹا سا چھا گیا۔ اگر کوئی اس وقت سوئی بھی فرش پر گراتا تو یقیناً اس کی آواز بھی سنی جاتی۔ اس تصویر کے اوپر بڑا بڑا کے۔ ایف۔ سی زنگر برگر لکھا ہوا تھا اور نیچے ایک بڑے سے زنگر برگر کی تصویر تھی۔

مگر یہ کیا؟ اس برگر کے بیچ میں چکن زنگر کے بجائے یہ کیا پڑا ہوا تھا؟ یہ تو ایک معصوم بچہ تھا۔ لہولہان بچہ...... اور اس کا خون برگر سے باہر نیچے کو ٹپک رہا تھا۔ اس ٹپکنے والے خون سے لکھا ہوا تھا: ''شوق سے کھائیے! آپ کا پسندیدہ کے۔ ایف۔ سی زنگر برگر۔ فلسطینی مسلمان بچوں کے خون سے ٹوپنگ کیا گیا۔''

''بہت پسند ہے نا ہمیں یہ برگر؟'' عبداللہ کی آواز اب کپکپا رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایسا دکھ پنہاں تھا جو کسی ایسے محبت کرنے والے بھائی کے دل کو مسل کر رکھ دیتا ہے جس نے اپنے پھول سے نونہال بھائی کو نادانستہ طور پر مار ڈالا ہو اور اب پچھتاوے کے کانٹوں کے سوا اس کے دامن میں کچھ باقی نہ رہا ہو۔

''اور ہاں ڈومینوز کے پیزا کی تو کیا بات ہے......!''

یہ کہتے ہوئے عبداللہ نے ڈائس پر پڑے لیپ ٹاپ پر بٹن دبایا تو اگلی تصویر نمودار ہوئی۔ اس تصویر میں بڑا پیزا میز پر رکھا تھا اور اس کے اوپر چکن یا بیف کے ٹکڑوں کے بجائے کٹی ہوئی انگلیوں کی ٹاپنگ تھی۔

دروازے پر کھڑے چاچو جی وہیں بیٹھ چکے تھے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ انھوں نے کبھی اس زاویے سے سوچا تک نہ تھا کہ وہ کس طرح کفار کی معاشی مضبوطی کا باعث بن رہے تھے۔ اب ان کا دل احساسِ جرم سے پُر تھا۔ یہی حالت ان کے پہلو میں کھڑے اسٹوڈنٹ لیڈر شاہ زیب کی بھی تھی۔

(۲۳)

درود و سلام کے مسنون صیغے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''زاد السعید'' کے نام سے صلوٰۃ و سلام پر مشتمل چالیس صیغے جمع فرمائے۔

حضرت لکھتے ہیں: ''جو صیغے صلوٰۃ و سلام کے احادیث میں آئے ہیں اُن میں سے چالیس صیغے پیش ہیں جن میں سے پچیس صلوٰۃ کے اور پندرہ سلام کے ہیں۔''

انھی مسنون صیغوں سے ہر ہفتے درود و سلام کا ایک صیغہ پیش کیا جا رہا ہے۔

قارئین! انھیں یاد کیجیے، روزانہ پڑھنے کا اہتمام کیجیے اور اپنے دوستوں کو بھی یاد کروائیے۔ اس طرح درود و سلام کا اجر بھی ملے گا، تلاوت حدیث کا بھی اور چالیس احادیث یاد کرنے کروانے پر از روئے حدیث قیامت کے دن علماء کرام کے ساتھ اٹھائے جانے کی بشارت کے مستحق بھی آپ بن جائیں گے۔ کیوں ہے نا مزے کی بات؟! (مدیر)

صلوٰۃ کا تیئسواں صیغہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْنَا مَعَھُمْ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلَیْنَا مَعَھُمْ، صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ صَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ.

ملاحظہ:

سلام کے صیغے پندرہ تھے جو ابتدائی پندرہ اقساط میں مکمل ہو چکے ہیں۔

* * *

''دوستو! کوک ساتھ نہ ہو تو پیزے اور برگر کا کیا مزہ۔ چلو اب کوک بھی دیکھ لو......!''

اگلی تصویر میں ایک یہودی مکروہ چہرہ لیے زہرخندہ مسکراہٹ منہ پر سجائے، کینہ پرور نظریں کیمرے کی آنکھ پر جمائے ہاتھ میں کوک کی بوتل کو آگے بڑھا رہا تھا اور نیچے کیپشن میں لکھا تھا: ''لیجیے! کولا پیجیے اور زندگی کے مزے اڑائیے! آپ کے اپنے فلسطینی بھائیوں کے خون سے تیار کردہ ایک دم زبردست اور مزیدار!

''میرے عزیز ساتھیو! اب لگے ہاتھوں یہ اعداد و شمار بھی پڑھ لو۔''

اگلی سلائیڈ دکھاتے ہوئے اب عبداللہ طلبہ کو ہوش ربا اعداد و شمار سے آگاہ کر رہا تھا۔

''دیکھیے! اس سال ان کمپنیوں نے اتنا اتنا نفع ہم مسلمانوں سے کمایا اور اتنا اتنا ٹیکس اپنی امریکی اور یورپی حکومتوں کو ادا کیا اور اتنا اتنا پیسہ بطور خصوصی فنڈ اسرائیل کو فراہم کیا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکا اور تمام یورپی ممالک پورے شد و مد کے ساتھ اسرائیل کے پشتی بان ہیں۔ امریکا ہر سال فوجی امداد کے نام پر اربوں ڈالر اسرائیل کو دیتا ہے۔ یہ گراں قدر رقم وہ کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ ہم مسلمانوں سے! جی ہاں...... امریکی اور یورپی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے مسلمان ممالک میں اپنا جال بچھا رکھا ہے اور وہ اپنی مصنوعات یہاں بیچ کر امریکا اور یورپی ممالک کے خزانے بھر رہی ہیں اور یہی خزانے بم اور میزائل بن کر مظلوم مسلمانوں پر آگ بن کر برستے ہیں۔''

ہال میں موجود تمام طلبہ پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ سب میں ایک لاوا بھی پک رہا تھا۔ دل میں غیرتِ ایمانی کی چنگاری جو کبھی راکھ تلے بجھ گئی تھی اب دوبارہ سے بھڑکتی اور بڑھتی

محسوس ہوتی تھی۔ ہر کوئی اپنے دل میں ضمیر کی لگائی عدالت میں خود کو کٹہرے میں کھڑا پا رہا تھا۔

’’دوستو! بس بہت ہو چکا! ہم نے بے خبری میں اپنے کتنے ہزاروں مسلمان بہن بھائیوں کا خون کر ڈالا۔‘‘

اب عبداللہ کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ آواز کیا تھی کڑکتی بجلی تھی۔ ایک تیر تھا جو دلوں میں جا کر پیوست ہوا جاتا تھا۔

’’کون کہتا ہے کہ تم فلسطینی مظلوم مسلمانوں کی نصرت نہیں کر سکتے۔ تمھارے ہاتھ میں یہ بہترین معاشی ہتھیار ہے۔ دشمن اربوں ڈالرز کی یہاں سرمایہ کاری کر چکا ہے اور اب جونک بنے امت کا مال چوس رہا ہے، اٹھو......اٹھو!‘‘

عبداللہ کے منہ سے نکلا اٹھو کچھ ایسے گونجا کہ ہال میں اس لفظ کی بازگشت سی جاری ہوگئی۔ ایک بجلی سی سب میں دوڑ گئی اور سب بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔

’’اٹھو! آج......ابھی......اسی لمحے سے قسم کھالو کہ مر جاؤ گے مگر دوبارہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی کوئی مصنوعات استعمال نہ کرو گے۔ پیپسی کوکا کولا سمیت کسی دشمن کی بنائی شے کو چھوؤ گے تک نہیں، بتاؤ......کیا کرتے ہو بائیکاٹ؟ یہ ہے اصل بائیکاٹ! اور ہاں یہ بائیکاٹ تاحیات کرنا ہے، مرتے دم تک کرنا ہے، سادہ طرزِ زندگی اپنانا ہے، صحابہ کرام کی پیروی کرنی ہے، جو بھی اس مشن میں میرے ساتھ ہے وہ ہاتھ کھڑا کر دے۔‘‘

اور ہال کے در و دیوار نے دیکھا کہ وہی طلبہ دونوں ہاتھ فضا میں اٹھائے، بپھرے جذبوں کا سیلِ رواں بن کر مغربی مصنوعات کے تاحیات بائیکاٹ کا حلف اٹھا رہے تھے۔

عبداللہ کا دل شکر کے جذبات سے لبریز تھا۔ کئی دنوں سے سوشل میڈیا پر غزہ کے مسلمانوں کی حالتِ زار دکھاتی ویڈیوز دیکھ کر عبداللہ کا دل بہت دکھی تھا۔ اسے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کس طرح اپنے مظلوم بہن بھائیوں کی مدد کو پہنچے۔ اسے کوئی راہ نہیں سوجھتی تھی۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ پَر لگا کر فلسطین پہنچ جائے اور اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ یہودیوں کے خلاف جہاد میں مصروف ہو جائے۔ آج اس کی وہ پریشانی کسی حد تک زائل ہو چکی تھی۔ میدانِ جہاد میں براہِ راست شرکت سے محرومی تو بدستور دل میں چبھ رہی تھی مگر اسے ایک سمت، ایک راہ تو مل گئی تھی جس پر ابھی اسے اپنے دوستوں کو اپنے ساتھ ملا کر بھرپور محنت کرنی تھی۔

☆......☆

’’ویسے نائٹ بیڈ یار! بڑے عرصے بعد سیور کا چکن پلاؤ کھا رہا ہوں۔‘‘

چاچو جی پوری یکسوئی سے مزے لیتے ہوئے چکن پلاؤ کی پلیٹ سے انصاف کرنے میں مصروف تھے۔ ٹیبل پر گورمے کی بوتل پڑی تھی۔

’’چاچو جی! کتنے انقلاب کی بات ہے کہ آج عمران عرف کنجوس مکھی چوس کھانے کے پیسے دے رہا ہے۔‘‘

عبداللہ نے چٹکی بھری تو عمران سمیت چاروں دوست مسکرا دیے۔

’’چاچو جی! یہ ذرا پلیٹ سے نظریں ہٹا کر باہر کے درشن بھی کیجیے۔ کے۔ ایف۔ سی کی حالت زار پر نظر ماریے۔‘‘

یہ صدام تھا جو چاچو جی کی توجہ دوسری طرف مبذول کرا کر ان کی پلیٹ اچکنا چاہ رہا تھا مگر چاچو بھی بڑے جہاں دیدہ اور گھاگ قسم کے بندے تھے۔ فوراً شرارت بھانپ گئے۔ انھوں نے سنجیدہ سا منہ بنا کر دونوں ہاتھوں سے پلیٹ اٹھا کر مضبوطی سے تھامی، پھر کھڑکی سے باہر جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کے۔ ایف۔ سی مکمل طور پر سنسان اور ویران پڑا ہے، اور اندر ہال میں بے کار بیٹھے ویٹر مکھیاں اڑاتے دکھائی دے رہے ہیں۔

’’ویسے یار! یوں کے۔ ایف۔ سی کو خالی اور ویران دیکھ کر بڑا ہی جذباتی ماحول بن جاتا ہے، دل گارڈن گارڈن ہو جاتا ہے۔‘‘

چاچو جی نے اپنے مخصوص شرارتی لہجے میں کہا تو چاروں دوستوں کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

☆☆☆

محمد وقاص۔ جھنگ صدر

میری بلی

اپنے تبصرے میں ہم نے قارئین سے گزارش کی کہ وہ بلی کے متعلق کوئی کہانی لکھیں لیکن جو بولے سو کنڈا کھولے، مدیر صاحب نے یہ کام ہم پر ہی ڈال دیا، سو آج ہم آپ کی ملاقات اپنی پیاری بلی کیٹ سے کروائیں گے۔

انگریزی نسل کی یہ بلی ہمیں ہمارے پیارے دوست شہروز نے تحفے میں دی تھی۔ ہماری کیٹ (Kate) لاکھوں میں ایک ہے۔ گول گول نیلی آنکھیں، سفید بالوں سے گھرا جسم، منہ سے آہستہ آواز میں نکلتی میاؤں اور ہماری آہٹ سننے والے دو ہلتے کان۔

کیٹ کو ہم سے اتنی محبت ہے کہ اگر ہمارے علاوہ کوئی اسے کھانا دے تو کھانا نہیں کھاتی، حالانکہ وہ ہمارے گھر میں سال بھر سے رہ رہی ہے۔ سنا ہے بلی کی نو زندگیاں ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں کتنی گزر چکی ہیں، لیکن امید کرتے ہیں کہ باقی ہمارے ساتھ گزریں گی۔ اچھا اب میں بلی نامہ ختم کرتا ہوں۔ مجھے نیند آ رہی ہے اور مجھے ابھی ڈائری بھی لکھنی ہے۔

’’وقاص! اب سو جاؤ۔ صبح تم نے کالج بھی جانا ہے۔‘‘

عمران نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا جو پین اٹھائے اپنی ڈائری لکھنے لگا تھا۔

’’بس آج کی ڈائری لکھ لوں۔‘‘ وقاص نے ڈائری کھولتے ہوئے کہا۔ پین کا ڈھکن اتار کر اسے پین کی پچھلی سائیڈ پر لگایا اور تیزی سے لکھنے لگا:

’’آج میں نے رسالہ بچوں کا اسلام کے لیے اپنی بلی پر ایک تحریر لکھی ہے اور اللہ میاں معاف کریں، ہر ہر سطر میں دل کھول کر مبالغہ کیا ہے۔ شاید زندگی میں پہلی بار کسی کی جھوٹی تعریف کی ہے ورنہ سچ تو یہ ہے کہ میری بلی لاکھوں میں ایک نہیں بلکہ شیطانوں میں ایک ہے۔ مجھے اسی وقت سمجھ جانا چاہیے تھا جب سدا کے کنجوس شہروز نے مجھے تحفہ دیا تھا۔ طوطا چشم آنکھیں، شیطان کی آنت جتنا پیٹ، منہ میں جاتی ہر چیز ایسے جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ اور اس کے کان اللہ توبہ شروع میں مجھے لگا کہ شاید بہری ہے لیکن پھر پتا چلا کہ اسے اپنا نام مانو بلی پسند نہیں، کیٹ پسند ہے۔ انگریز میم کہیں کی۔ گھر والوں کو اپنا مالک اور مجھے اپنا غلام سمجھتی ہے۔ اگر میرے علاوہ اسے کوئی کھانا دے تو کھاتی نہیں ہے اور پھر مجھے گھر والوں کی ڈانٹ سننی پڑتی ہے کہ اگر تمھیں پتا ہے کہ یہ تم ہی سے خدمت لینا چاہتی ہے تو تم اسے کھانا کیوں نہیں دیتے وغیرہ وغیرہ!

یہ جو بلی کی نو زندگیوں والی بات ہے، سچ مانیے بالکل بے سر پیر کی ہے کیونکہ دس بار تو میں خود کوشش کر چکا ہوں۔ سنا ہے مظلوم کی آہ عرش کو بھی ہلا دیتی ہے۔ میرے لیے تو وہ دیوار جس پر یہ روزانہ بیٹھتی ہے صرف وہی ہل جائے تو بہت ہے۔ اچھا اب مجھے نیند آ رہی ہے باقی میں پھر کسی وقت لکھوں گا۔

نوسوسال تک!

دانش عارفین حیرت

گاؤں میں ایک بہت ضعیف العمر بابا جی نئے نئے آئے تھے۔ اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی عمر سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ گاؤں کے بزرگ ان سے ملنے گئے اور بڑے ادب سے سوال کیا: ''بابا جی آپ کون ہیں؟''

بابا جی عجیب کیفیت میں بیٹھے تھے، جواب دیا: ''میں اس زمانے کا نوح ہوں۔''

یہ بات سن کر سب بہت حیران ہوئے، پھر سوال کیا:

''کہاں سے آئے ہیں؟''

جواب میں بابا جی نے اپنے گاؤں کا پتا بتایا اور کہا کہ اب وہ یہیں پر قیام کرنا چاہتے ہیں۔ گاؤں والوں نے سوال کیا: ''آپ کے بال بچے کہاں ہے؟''

بابا جی نے جواب دیا: ''ڈوب گئے ہیں۔''

مزید آگے اور بھی باتیں ہوئیں مگر میرے ذہن میں بابا جی کا ایک ہی جملہ گونج رہا تھا:

''میں اس زمانے کا نوح ہوں۔''

جب سب لوگ چلے گئے تو میں بابا جی کے پاس آیا اور پوچھا: ''بابا جی! کیا آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں؟''

بابا جی نے غضب ناک ہو کر میری طرف دیکھا اور زور سے کہا: ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ! توبہ کرو توبہ، نبوت تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔''

''تو پھر آپ یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ میں اس زمانے کا نوح ہوں؟''

میرا سوال سن کر بابا جی کا غصہ رفو ہو گیا، ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہنے لگے: ''بیٹا! میں تو آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ادنیٰ امتی ہوں۔ تمھیں پتا ہے حضرت عبداللہ بن ثوب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں؟''

''نہیں۔''

میں نے انکار میں سر ہلایا تو کہنے لگے:

''ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت سے ایک مشہور تابعی گزرے ہیں ان کا نام عبداللہ بن ثوب تھا۔ نبوت کے جھوٹے دعویدار اسود عنسی نے یمن میں ابو مسلم خولانی کو اپنے پاس بلایا اور پوچھنے لگا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟''

''ابو مسلم خولانی نے جواب دیا:

''ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

اسود عنسی نے آگے سے کہا:

''میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔''

ابو مسلم خولانی نے جواب دیا:

''میں تمھاری بات سن نہیں سکا۔''

اسود عنسی سمجھا کہ واقعی ابو مسلم خولانی سن نہیں سکے ہیں، اس لیے اس نے پھر پوچھا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟''

''ابو مسلم خولانی نے جواب دیا: ''ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔''

اسود عنسی نے کہا: ''میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔''

ابو مسلم خولانی نے جواب دیا:

''میں تمھاری بات سن نہیں سکا۔''

اب تو اسود عنسی کا چہرہ غصے سے اسود ہی یعنی سیاہ ہو گیا۔ اس نے حکم دیا: ''اس شخص کو آگ میں ڈال دو۔''

چناں چہ ابو مسلم خولانی کو بھڑکتی آگ میں ڈال دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ آپ تین روز تک آگ میں رہے، اللہ میاں نے آگ میں ان کی اسی طرح حفاظت فرمائی جس طرح ابراہیم علیہ السلام کی حفاظت فرمائی تھی۔

یہ واقعہ جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گیا۔ اسود عنسی جب ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو اپنی ساکھ بچانے کے لیے اس نے ان کو یمن سے باہر نکلوا دیا۔

ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔

آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا اور پوچھا:

''کہاں سے آئے ہیں؟''

ابو مسلم خولانی نے جواب دیا: ''یمن سے۔''

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن کا سن کر پھر استفسار کیا: ''ہمارے بھائی کا کیا ہوا جس کو اسود عنسی نے آگ میں ڈالا تھا؟''

ابو مسلم خولانی نے جواب دیا: ''وہ خیریت سے ہیں۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ قیافہ شناس (چہرہ پڑھنے کے ماہر) تھے، کہنے لگے: ''کیا آپ ہی وہ شخص ہیں؟''

عرض کیا: ''جی ہاں۔''

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انھیں گلے لگا کر رونے لگے، پھر ان کو لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔

یہ دور خلافت راشدہ کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور تھا۔

حضرت عمر فاروق امیر المومنین پاس پہنچے اور ابو مسلم خولانی کو اپنے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان میں بٹھا کر کہا: ''خدا کا بے انتہا شکر ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک ایسے شخص سے ملا جس کے ساتھ وہی معاملہ پیش آیا جو حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔''

بابا جی خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا: ''مگر بابا جی! اس واقعے کا آپ کی بات سے کیا تعلق ہے؟''

بابا جی کہنے لگے: جس طرح ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آگ والا معاملہ پیش آیا، اسی طرح میرے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام والا معاملہ پیش آیا۔''

''کیا مطلب؟'' میرا تجسس ایک دم عروج کو پہنچ گیا۔

بابا جی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے، جیسے ماضی کے جھروکے میں چلے گئے، پھر بولے: ''میں اپنے گاؤں کا ایک نوجوان زمیندار تھا۔ بیس سال عمر ہو گی جب ہمارے

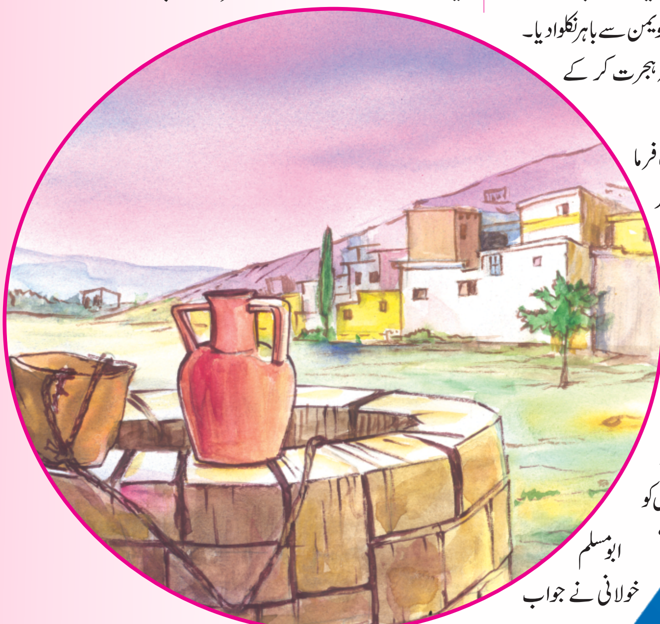

گاؤں میں قادیانی مبلغ آنے لگے اور اپنی تبلیغ سے گاؤں بھر کو قادیانی بنا دیا۔ اللہ رب العزت نے مجھے ہدایت پر قائم رکھا لیکن میں اپنے گاؤں والوں کی ہدایت کے لیے فکرمند ہوگیا اور انھیں ارتداد سے دوبارہ اسلام کی تبلیغ کرنے لگا کہ کہ قادیانیت چھوڑ دو اور توبہ کرلو۔ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، مگر گاؤں والوں نے میری ایک نہ سنی۔ میں انھیں سمجھاتا رہا۔ ایک روز میرے منہ سے نکل گیا کہ میری بات مان لو ورنہ گاؤں پر اللہ کا عذاب آجائے گا، وہ پھر بھی نہ مانے اور میری بات سن کر مذاق اڑانے لگے، یہاں تک کہ گاؤں میں سیلاب آگیا۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ میرے علاوہ کوئی بھی زندہ نہیں بچا اور میں ہجرت کرکے یہاں آگیا۔''

بابا جی سانس لینے کے لیے رکے تو میں پھر بول اٹھا: ''لیکن وہ بات؟''

بابا جی فرمانے لگے:

''بیٹا! میں نے اپنی قوم کو دو چار سال نہیں، پورے ۹۰ سال تک تبلیغ کی ہے۔''

یہ سنتے ہی میں زبردست جھٹکا لگا۔ ''۹۰ سال!''

میں بھونچکا ان کی نورانی صورت دیکھتا رہ گیا۔

''ہاں اور مسلمان کو اللہ میاں ایک نیکی کا دس عطا فرماتے ہیں۔ پانچ نمازیں پڑھنے پر پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے تو گویا میری ۹۰ سال کی تبلیغ ۹۰۰ سال کی تبلیغ کے برابر ہوئی۔ اس طرح گویا میں نے اپنی قوم کو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح نو سو سال تک تبلیغ کی۔ حضرت کی قوم پر طوفان کا عذاب آیا اور پوری قوم پانی میں ڈوب گئی، میرے گاؤں میں بھی سیلاب آگیا اور پورا گاؤں ڈوب گیا، بس میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوا تھا، اسی لیے میرے منہ سے وہ بات نکل گئی۔ اللہ مجھے معاف کرے۔''

اب مجھے بابا جی کی بات سمجھ میں آچکی تھی، میں نے عقیدت مندی سے کہا:

''بلاشبہ بابا جی! آپ کو نو سو سال تبلیغ کرنے کا اجر ملے گا۔''

ملاحظہ: یہ فرضی کہانی نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ بابا جی ۱۱۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

☆☆☆

وہ شخص ہمت اور حوصلے کا پہاڑ تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد پاکستان کے نوجوانوں کو مضبوط بنانا تھا۔ دینی مدرسے کا ایک طالب علم اتفاق سے اُس تک جا پہنچا، یوں شوق، لگن، جدوجہد اور عزم کے رنگین جذبوں سے سجی داستان زیبِ قرطاس ہوئی! ایک ایسے شخص کا تذکرہ جو دولت پر فن کو ترجیح دیتا تھا......!

ہمّت کا پہاڑ ۱۰

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم — تحریر: رشید احمد منیب

مقابلہ شروع ہوا تو مجھے اندازہ تھا کہ وہ کیا کیا کرسکتا ہے؟ لہٰذا میں نے پہلے تو اسے داؤ آزمانے کا موقع دیا، اس کے بعد اسے طبیعت کے ساتھ دھویا۔ میں نے اس کی ایسی پٹائی لگائی کہ وہ قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس نے ہار مان لی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب یہ آدمی کم از کم ایک ہفتے تک تو کلاس کو سکھانے کے قابل نہیں رہا، لہٰذا میں نے اعلان کردیا کہ میں ایک ہفتے تک کلاس لوں گا، کوئی چھٹی نہ کرے، اسے بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ اس کا مقابلہ کس سے ہوا ہے، کہنے لگا کہ ٹھیک ہے مسٹر آئی خان ہی ایک ہفتہ کلاس لیں گے، میں آرام کروں گا۔

میں نے اسی دن کلاس لی اور پوری کلاس کو ٹھیک ٹھاک رگڑا لگایا۔ کلاس ختم ہوئی تو بہت سے نوجوانوں نے مصافحہ کیا۔ اب انھیں معلوم ہوگیا تھا کہ یہ پاکستانی ہمیں سکھانے کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور قوت بھی، لہٰذا وہ سب مجھے تسلیم کررہے تھے۔

میں ایک ہفتے تک کلاس کرواتا رہا۔ وہ امریکی ماسٹر بھی آخری کلاسوں میں شریک ہوا۔ آخری دنوں میں اسے میرے متعلق معلوم ہوگیا تھا۔ کہنے لگا کہ مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں تم سے لڑنے کی حماقت ہی نہ کرتا، تم سادہ نظر آتے ہو لیکن بہت چالاک ہو۔

میں مسکرا دیا، کیا کہتا، اب تو وہ میرا شاگرد ہوگیا تھا اور میں شاگردوں کی باتوں کا برا نہیں مانتا۔

جس دن میں واپسی کے لیے ہوائی اڈے پہنچا تو کلب کے کچھ ساتھی مجھے چھوڑنے آئے۔ اکثر رو رہے تھے۔ وہی پہلے دن والی لڑکی کہنے لگی کہ میں ایک اچھے انسان کے طور پر ہمیشہ تمھیں یاد رکھوں گی۔

اس کے بعد میں پاکستان آگیا، پھر اس کے بعد ان لوگوں سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا، معلوم نہیں اس پر کیا بیتی۔

سی ہان انعام اللہ خان کا یہ قصہ مکمل ہوا، میں ان کی خدمت میں مارشل آرٹ سیکھنے کے لیے گیا تھا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان کی اصل خوبی ان کا اچھا کردار تھا۔ دین سے محبت انھیں ورثے میں ملی تھی۔ گھر کی تربیت اور دین کے ساتھ ان کی محبت ہی تھی کہ وہ یورپ اور امریکا کے بالکل آزاد ماحول میں بھی بڑے بڑے گناہوں سے بچے رہے۔ اگر انسان کا ایمان مضبوط نہ ہو تو اس کے لیے گناہوں سے بچنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ وہ برے کاموں سے دور رہے اور اپنے فن پر توجہ رکھی تو اللہ تعالی نے انھیں بہت عزت سے نوازا۔ اللہ تعالی ہر ایسے انسان کو بہت عزت سے نوازتے ہیں جو خود کو برے کاموں سے بچاتا ہے اور کسی اچھے کام کی خاطر اپنے آپ کو وقف کردیتا ہے۔

اب آپ ان کا ایک اور قصہ سنیں:

''ایک مرتبہ کراچی کے ایک بہت بڑے ہوٹل میں سرکاری تقریب تھی، مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد کو حکومت نے بلایا تھا، کوئی پروگرام تھا، اس کے بعد کھانے، پینے کی دعوت بھی تھی۔ مجھے اپنے دوستوں کی طرف سے دی گئی دعوتوں میں شرکت کا شوق تو ہے کیوں کہ کھانا پینا بھی اچھا ہوجاتا ہے اور بہت سے دوستوں سے ملاقاتیں بھی ہوجاتی ہیں لیکن سرکاری تقریبات میں شرکت پسند نہیں ہے، خوامخواہ کا تکلف اور نام ونمود کا اظہار ہوتا رہتا ہے، کام کی تو کوئی بات ہوتی نہیں، لیکن اس دن کسی وجہ سے سرکاری پروگرام میں چلا گیا تھا۔

تقریب میں کوئی وقفہ ہوا تھا، سب لوگ ٹولیوں کی شکل میں اِدھر اُدھر کھڑے باتیں

کر رہے تھے۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ٹولی میں کھڑا تھا اور کراچی کا ایک بہت مشہور ماسٹر اپنے دوستوں کے ساتھ مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑا باتیں کر رہا تھا۔

اتنے میں کراچی کا کمشنر اس طرف آ نکلا، اس نے جب ماسٹر کو دیکھا تو اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے ماسٹر سے پوچھا کہ وہ نوجوانوں کو کیا کیا سکھاتا ہے؟

ماسٹر نے کوئی جواب دیا۔ کمشنر کہنے لگا کہ کیا تم یہاں اس ہال میں اپنے فن کا کوئی مظاہرہ کر سکتے ہو؟ یہ سوال سن کر اس ماسٹر نے میری طرف اشارہ کیا کہ یہاں تو وہی کچھ کر کے دکھائے گا۔

ماسٹر نے میرا نام بھی بتا دیا۔ اب کمشنر صاحب میری طرف چل کر آئے۔ میں اپنے دوستوں سے باتوں میں مگن تھا اور کمشنر سے واقف نہیں تھا۔ اس نے میرا کندھا بجا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو تھری پیس سوٹ پہنے کھڑا ایک آدمی مجھے جانچنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا......!

جانچنے والی نظر اچھی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی پہچان لے تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔ پولیس والے سب لوگوں کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چوکیدار بھی یہی کرتا ہے، کتے بھی انسان کو جانچتے ہیں اور بھونکتے ہیں۔ انسان کو ان سب پر غصہ آتا ہے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ لوگوں کی چوکیداروں سے لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ بس کا کنڈیکٹر بھی ایسا ہی کرتا ہے، کچھ اساتذہ بھی جانچنے والی نظروں سے گھورتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔ تجربہ کار استاد کبھی جانچنے کی نظروں سے نہیں گھورتا، تو وہ آدمی مجھے جانچنے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ مجھے اس کی حرکت بری لگی۔

اس نے سوال کیا: ''کیا تم انعام اللہ خان ہو؟''

میں نے کہا: ''جی بالکل! بتایئے کیا کام ہے؟''

کہنے لگا، تم مارشل آرٹ سکھاتے ہو؟

میں نے جواب دیا کہ جی ہاں! ایسا ہی ہے۔

اس نے کچھ عجیب طرح کا منہ بنایا اور بولا: ''کیا تم یہاں مارشل آرٹ کے فن کا کوئی مظاہرہ کر سکتے ہو؟''

میں نے کہا کہ جی بالکل کر سکتا ہوں۔

اس نے کہا لیکن اس ماسٹر نے تو منع کر دیا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تو تم کیسے کرو گے؟

میں نے کہا کہ میں تو اپنے بارے میں ہی بتا سکتا ہوں، ان کے بارے میں وہ خود بہتر جانتے ہوں گے۔

دراصل اس دن کمشنر کی شامت آئی ہوئی تھی لہٰذا اس نے آ بیل مجھے مار والا کام کر دیا۔ مجھے کہنے لگا اچھا تو پھر یہاں کچھ کر کے دکھاؤ۔

اب مجھے تو اللہ موقع دے اس کام کا، میں نے پلک جھپکنے میں اسے اٹھا کر پٹخ دیا۔

فرش پر قالین نہ ہوتا تو اس کی کوئی نہ کوئی ہڈی ضرور ٹوٹ جاتی۔

اس کے منہ سے بڑی زور کی آواز نکلی۔ چند لمحے کے لیے تو اس کا سانس بند ہو گیا اور آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ گئیں۔

میرے دوست بھی کچھ گھبرا گئے کہ یہ کیا ہوا؟ بہت سے لوگ بھی ہماری طرف دیکھنے لگے، لیکن زیادہ تر لوگوں نے بس آواز ہی سنی تھی۔

اب اُس کے منہ سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ اول فول بکنے لگا، پھر دھمکی دی کہ تم نے مجھے مارا، تمھیں معلوم نہیں میں کمشنر کراچی ہوں، میں تمھیں اندر کروا دوں گا۔

میں نے سہارا دے کر اسے اٹھایا اور کہا کہ سر! آپ کے منہ پر لکھا ہوا ہے کہ آپ کمشنر ہیں؟ آپ نے خود ہی مجھے نہیں کہا کہ مارشل آرٹ کا کوئی مظاہرہ کر کے دکھاؤ۔ میں نے دکھا دیا، یہ ساتھ کھڑے لوگ گواہ ہیں۔

وہ تکلیف کی حالت میں تھا لیکن تھا تو کمشنر، بات اُس کی سمجھ میں آ گئی، پھر بھی کہنے لگا کہ تم نے مجھے کیوں پھینکا؟

میں نے جواب دیا کہ مطالبہ تو آپ ہی نے کیا تھا۔ اب مارشل آرٹ میں کون سا کوئی راکٹ اڑانا ہوتا ہے۔ بندہ ہی گرانا ہوتا ہے تو سامنے تو آپ ہی تھے۔

کمشنر سمجھ گیا کہ اس نے غلط بندے کو چھیڑا ہے۔ اب اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہنے لگا کہ کہاں گیا وہ لمبے بالوں والا، لیکن لمبے بالوں والا موقع کو بھانپ کر ہال سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ اس فقیر کے جیسے جوہر سے محروم تھا۔

☆......☆

مدیر بھائی محمد فیصل شہزاد کے توسط سے معلوم ہوا کہ استادِ محترم انعام اللہ خان مرحوم کے واقعات قارئین کو خاصے پسند آ رہے ہیں۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ استاد کا تذکرہ ان کے انتقال کے کم و بیش سترہ برس گزر جانے کے باوجود نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہمارے بچے اِن واقعات سے سبق بھی سیکھ رہے ہیں۔ استادِ محترم واقعی ایسی شخصیت تھے جن سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا تھا۔ بات صرف اتنی سی نہیں تھی کہ وہ ایک بڑے ماہرِ فن اور اعلیٰ پائے کے جنگجو یعنی فائٹر تھے بلکہ ان کی شخصیت میں ایسے بہت سے اوصاف تھے جو کسی بھی انسان کو کامیاب فرد بنا سکتے ہیں، مثلاً توکل، اللہ پر یقین، تعلق داری، دوستی نبھانے کا سلیقہ، دل جیتنے کا ہنر اور شاگردوں کو اولاد کی طرح عزت دینے کا جوہر۔ وہ سادہ اور بے ساختہ طبیعت کے انسان تھے۔ کسی کا رعب، خوف یا لالچ انھیں دل کی بات زبان پر لانے سے روک نہیں سکتا تھا۔

انھیں خود بھی اندازہ تھا کہ قدرت نے انھیں غیر معمولی جوہر سے نوازا ہے۔ زندگی کے آخری برسوں میں ان کی دلی تڑپ یہ تھی کہ پاکستان کے نوجوان اپنی خودی کو پہچان لیں اور کھوئی ہوئی شے کی جستجو میں لگ جائیں۔ وہ دنیا کو بہت قریب سے دیکھ کر آئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کے نوجوان کو صاحبِ کردار اور جہد و مشقت کا عادی بنائے بغیر بات نہیں بنے گی۔ میں نے اس شخص کو بہت قریب سے دیکھا جس کے دل میں اگر پاکستان سے سچا پیار نہ ہوتا تو وہ بے پناہ دولت کما سکتا تھا لیکن اس نے سادگی اور ایک گونہ درویشی کو ترجیح دی۔ آپ کو ایسے لوگ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملیں گے جو اپنے سچ اور اپنے فن کے ساتھ وابستگی کی خاطر دولت سے نگاہیں پھیر لیں۔ ان کی خودداری اور کام سے سچی محبت تہذیبِ حاضر میں ایک نادر شے تھی۔

قارئین نے پسند کیا تو واقعات، حکایات، نصائح، تجربات و مشاہدات اور لطائف پر مشتمل یہ دل چسپ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہے گا، ان شاء اللہ!

چلیے اب آپ ان کی زبانی ایک اور مزے دار واقعہ سنیے: (جاری ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

● شمارہ ۱۱۱۳ دستک مدینے کی کوئی بات سنا دل پر بہت اچھی لگی۔ اللہ بار بار ہم سب کو حاضری نصیب فرمائے آمین۔ 'میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' نعت بھی خوب تر تھا۔ 'وہ بچہ گیا کہاں' سلام کی اہمیت بتاتا گیا۔ 'افشوا السلام' سنت کا اہتمام کی تحقیق اپنے جگر گوشے محمد مصطفیٰ سلمہ اللہ کے لباس پر کیا۔ الحمدللہ تعالیٰ سنت کے مطابق نکلا تو بے اختیار دل جھوم اٹھا۔ 'پر کا کوا بن گیا' ایک عادت بد پر مشتمل تھا۔ 'سر پر رکھ دے' نے خوب ہنسایا ویسے بھی ہمیں حضرت تھانویؒ سے بہت عقیدت ہے۔ 'میر حجاز' بہتر سے بہترین ہے۔ 'اونٹ رے اونٹ' بھی سسپنس فل ہے۔ 'کتے بنے رہیئے' تو اقبال کے نظم سے ماخوذ لگتا ہے۔ تقریباً وہ مکڑی اور مکھی والے سے۔ خیر یہ بھی اچھا تھا۔ تبصرہ طویل ہو گیا معذرت! خیر مدیر محترم کو مختصر کرنا کون سا مشکل ہے۔ (ع، ز۔ ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: جی ہاں کوئی مشکل نہیں، دیکھ تو لیا ہوگا آپ نے۔

● اپنا دوسرا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ 'روشن' دلچسپ کہانی تھی۔ 'تین سو ساٹھ بچیاں' بہت کمال واقعہ تھا۔ کاوش صدیقی اور ڈاکٹر سارہ الیاس خان کو دوبارہ رسالے میں دیکھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ اپنے تیسرے خط کا بڑی بے چینی سے انتظار ہے اور یہ چوتھا ہے۔ (نام نہ پتا)

ج: لگتا ہے کہ آپ پچھلے ہفتے والے وہی قاری ہیں جن کا نام پتا نہیں تھا۔ یعنی آپ کے دو خط بغیر نام کے شائع ہو گئے۔ اب ہمیں یقین ہے کہ آپ کبھی نام پتا لکھنا نہ بھولیں گے۔

● شمارہ ۱۱۲۰ کی 'دستک' نے حسن ظن کا اچھا سبق دیا۔ 'میں اور بچوں کا اسلام' شمارے کی دینی اور اسلامی ذہن سازی کے پہلو کو اجاگر کر رہی تھی۔ 'شرارتی جوتا' پہلے تو ایویں سی ہی لگی مگر اختتام میں اپنی مرضی کے مطابق جینے کی خواہش کا اظہار کرنے والا جوتا اور اس کا عہد بہت بھایا جس سے ایک سبق بھی ملا۔ 'کیا، کیوں، کیسے' نے خوب معلومات دیں۔ 'شور کوٹ' ایک مختصر پر اثر سا تعارف تھا۔ حافظ عبدالرزاق خان صاحب کی تو ہر کہانی بے مثال ہوتی ہے۔ 'آمنے سامنے' میں آپ نے چوتھے خط والے کی معصوم خواہش پوری کر کے بہت اچھا کیا۔ جواب بھی بڑا عمدہ دیا۔ شمارہ ۱۱۲۱ 'مجرم کے بال' ایک خوب صورت انتخاب تھا۔ اور 'چور پکڑا گیا' پڑھ کر ہنسی بھی آئی اور حیرت بھی ہوئی۔ اگر سوچا جائے تو ایک حد تک حقیقت بھی یہی ہے۔ 'آسان علم دین کورس' بہت اچھے سبق پیش کر رہا ہے۔ اس کورس کو اختتامی صورت کے بعد ایک کتابی شکل میں اگر اس کے تمام اسباق شائع کر دیے جائیں تو بہت مفید ہوگا۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: جی ان شاء اللہ کتابی شکل میں یہ کورس شائع ہوگا۔

● 'سکہ رائج الوقت' بہت اچھا کہانی لگی۔ 'میر حجاز' اور 'ان کے کوچے میں' تو سب کی پسندیدہ ہیں، بہت اچھے انداز میں اور محنت سے لکھتے ہیں۔ 'میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا' اچھا تھا یہی سب ہم بھی بڑے ہونے تک سوچتے رہے ہیں۔ 'ملکہ مکھی نے کیا کہا' بچوں کے لیے بہت اچھی کہانی ہے۔ 'تیرے سارے غم دور' 'بدن سلسلہ' بہت اچھے تھے۔ 'آمنے سامنے' بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اگر ہمارا ابھی اس میں نام آجائے تو کیا بات ہو۔ نظم بھی بہت اچھی تھی۔ غرض سارا رسالہ بہت ہی زیادہ اچھا تھا، صرف دستک کی کمی تھی۔ (ذکریٰ۔ کراچی)

ج: اور آپ کا نام آ گیا۔ خوش رہیے۔

● بہترین تحریر 'سکہ رائج الوقت' لگی۔ تحریر پڑھ کر ہم چونک اٹھے۔ یہی حال ہمارا بھی تو ہے۔ اپنے کیے پر توبہ آئندہ کے لیے عزم کر لیا کہ سکے کو کبھی بھی بے وقعت نہیں سمجھیں گے۔ 'میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا' پڑھتے ہوئے بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ نجانے کیا فیصلہ کیا ہوگا اور آخر میں پہنچ کر اپنی بے چینی پر خود ہی مسکرا دیے۔ محمد فضیل فاروق کا سفرنامہ 'ان کے کوچے میں' بہت زبردست رہا۔ اللہ ہمارے اس ننھے رسالے کو حاسدوں کے حسد اور ہر لگ جانے والی نظر سے بچائے، آمین! (بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

ج: آمین ثم آمین۔

● شمارہ نمبر ۱۱۲۶ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ سرورق اچھا لگا۔ قرآن وحدیث کے بعد دستک کو پڑھا۔ آپ نے جن کے لیے بھی دعاؤں کی درخواست کی، ہم نے ان سب کے لیے دعا کی۔ ٹھنڈی آگ، ہمارے چھوٹے کزنوں کو بہت پسند آئی۔ 'مرچ' پڑھ کر ہمیں بہت معلومات ملیں۔ ویسے ہمیں تو پیسی ہوئی مرچوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ دراصل ہم بچپن میں ناسمجھی سے مرچوں والے ہاتھوں کو آنکھوں پر لگا لیتے تھے اور پھر کتنا اچھلتے تھے، یہ تصور کیا ہی جا سکتا ہے۔ اثر جونپوری صاحب کی نظم بہت پسند آئی۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ 'جواب' تحریر لکھنے والے کے دو نام کیوں لکھے ہوئے ہیں؟ 'تلافی' تحریر نصیحت آموز تھی۔ روزے دارو، اللہ کے پیارو! تحریر پڑھ کر ہمارے دل سے روزے دارو کے لیے دعا نکلی۔ 'ہمت کا پہاڑ' نوجوانوں کے لیے بہت اچھی تحریر ہے۔ مسکراہٹ کے پھول میں آخری لطیفے نے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ (فہد اللہ قمر۔ کوٹھے والا ملتان)

ج: آپ ہماری درخواست پر دعا کرتے ہیں، اس کے لیے بے حد ممنون ہیں۔ ساتھ کچھ نہ کچھ ایصال ثواب بھی کیا کیجیے۔ بلکہ ہم تو کہیں گے کہ آپ اور دوسرے قارئین بھی جب اپنے کسی پیارے کو ایصال ثواب کرنے لگیں تو خاص طور پر بچوں کا اسلام کے تمام قارئین کی اور عمومی طور پر پوری امت مسلمہ کی نیت کر لیا کیجیے۔ نفع اتنا زیادہ بڑھ جائے گا کہ ہمارے تصور سے بھی باہر ہے۔

● بچوں کا اسلام سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ سچ کہوں تو اس نے میری زندگی بدل کر رکھ دی ہے۔ سب سے پہلے قرآن وحدیث پڑھتے ہیں اور دل منور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دستک جس میں آپ بہت ہی اچھے ادبی انداز میں رہنمائی کرتے ہیں۔ مثلاً پچھلے ایک شمارے میں آپ نے بچوں میں خودداری پیدا کرنے کی اس انداز میں بات کی کہ دل میں اتر گئی۔ میں بھی مدد اور خیر خواہی کے نام پر ایسی غلطی کرتا رہتا تھا، مگر آپ کی دستک پڑھ کر آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کیا۔ پچھلے دنوں ایک سفرنامہ 'ان کے کوچے میں' کیا ہی خوب چلا۔ یہ ہمارے دل کی تڑپ بڑھاتا رہا۔ دعا ہے کہ ہر مسلمان کو مدینہ منورہ کی موت نصیب ہو جنت البقیع مدفن بنے اور قیامت والے دن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اٹھنا نصیب ہو۔ آمین۔ آمنے سامنے میں ماشاء اللہ اب سارے خطوط کے جوابات ہوتے ہیں۔ مجھے جوابات والے خطوط بہت پسند ہیں۔ (انصر خان۔ راجپوت کالونی، ڈیرہ غازی خان)

ج: آپ کی بہت پیاری دعا پر دل کی گہرائی سے آمین۔ جیتے رہیے۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو انعام والی ہماری کتابیں ''دل پہ دستک'' اور ''آئینہ گفتار'' مل چکی ہیں؟

● شمارہ ۱۱۲۰ ہاتھ میں ہے۔ سرورق جاذب نظر تھا۔ کہانیوں میں 'میں کھوجی ہوں' بہت پسند آئی۔ حافظ صاحب کی تحریر 'منوا دو تو مانیں' کی ابتدا پڑھ کر ہنسی آئی، اختتام پڑھ کر مگر سکتے میں آ گئے۔ بے شک اہل حق کو ستانے کے طریقے بدلتے رہے لیکن ان نوجوانوں کے آج بھی وہی ولولے ہیں جو پہلے روز سے تھے۔ ڈاکٹر یونس حسرت کی کہانی 'شرارتی جوتا' کی ابتدا پڑھ کر چھوڑ دی کیونکہ ایسی تحریریں مجھے پسند نہیں۔ مسکراہٹ کے پھول کراچی میں بارش کے باعث شاید مرجھا گئے ہیں، جس کا ہمیں بڑا غم ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ فوراً ان پھولوں کی حفاظت کے لیے مالی رکھا جائے۔ اک چھوٹی سی گزارش تھی کہ میرا سوہنا شہر سلسلے میں کراچی پر تو مضمون شائع ہو چکا لیکن ایک مضمون میں تو کراچی کے بارے سب کچھ نہیں بتایا جا سکتا ناں تو پھر میں 'منگھوپیر' پر مضمون لکھ کر بھیجوں؟ (محمد عمیر جمیل، منگھوپیر کراچی)

ج: بھئی پھر تو 'میرا سوہنا شہر' کے ساتھ ساتھ میرا سوہنا محلہ اور میری سوہنی گلی نامی سلسلے بھی شروع کرنے پڑیں گے۔ تفنن برطرف؛ آپ لکھ بھیجیے، دلچسپ اور معلومات افزا ہوگا تو شائع ہوگا۔

الحجاز پبلی کیشنز کی فخریہ پیشکش

بارگاہِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باغ ختم نبوت سے چنے کچھ دلکش پھول
بچوں کا اسلام کا ایک مقبول ترین سلسلہ
حافظ عبدالرزاق خان کی ختم نبوت کے موضوع پر شاہکار کہانیاں
بڑوں بچوں سب کے لیے ایک شاندار تحفہ!

قیمت: 1000

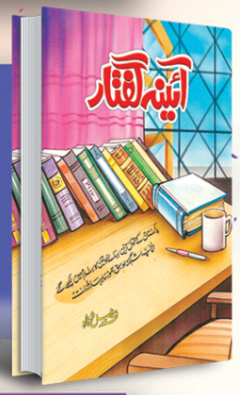

آئینہ گفتار میں بناتِ اسلام کے لیے نہایت دلچسپ انداز میں سدابہار شذرات لکھے گئے، جنھیں خواتین کا اسلام میں بے حد پذیرائی ملی! ان شذرات میں نہایت سنجیدہ موضوعات پر بہترین سبق آموز تحریریں بھی ہیں اور شگفتگی سے معمور ادبی اُسلوب میں لکھی گئیں پرمزاح تحریریں بھی۔

قیمت: 1200

مدیر بچوں کا اسلام کے ۸ سے ۸۰ سال تک کے ''بچوں'' کے لیے لکھے گئے
بے حد مقبول، دلچسپ، شگفتہ اور سبق آموز نثر پارے!
یہ کتاب رنگارنگی اور تنوع کا ایسا دلکش گلدستہ ہے، جس کا ہر پھول اپنے رنگ میں زیبِ چمن اور ہر کلی اپنی خوشبو میں سرمایہ گلستان ہے۔

قیمت: 1200

خوبصورت ادبی اُسلوب میں لکھا مدیر بچوں کا اسلام کا مقبول ترین دلچسپ اور شوخ وچنچل سفر نامہ۔ ماہنامہ ساتھی میں شائع شدہ ایک بیسٹ سیلر سفر نامہ
جس نے بہت کم وقت میں مقبولیت کے ریکارڈ قائم کیے۔
کیسا لگے کہ آپ خود کو مسافر کے ساتھ محوِ سفر محسوس کریں!

قیمت: 1000

دعا..........سائبان

خواتین کا اسلام کے دو انتہائی مقبول ترین خاص نمبر جو کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں قارئین کی پسند ٹھہرے!
وہ دو کتابیں جو پچھلے کئی برسوں سے مسلمان مائیں بہشتی زیور کی طرح اپنی بچیوں کو رخصتی پر دیتی ہیں!

شاندار آفر: (امپورٹڈ پیپر اعلیٰ ایڈیشن فی کتاب: **1000**، دونوں کتابیں **2000** روپے)

درج بالا پانچوں کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر ادارے کی طرف سے **2200** روپے کی شاندار بچت
ابھی **0342-4198208** پر اپنا مکمل پتا اور آرڈر واٹس ایپ کیجیے۔